جلد 21 شمارہ 6 ماہ جون 2019ء شوال 1440ھ

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

محبت

اللہ

صداقت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کرکے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ



عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاحِ آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

راہ سلوک کی رکاوٹیں

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

برادران حلقہ! یہ ہمارا آٹھواں سالانہ اجتماع اور پانچواں خطبہ ہے۔اس خطبہ میں میں نے راہ سلوک کی رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ جو رکاوٹیں اس راہ میں پیش آتی ہیں ان کو دور کرنے کیلئے جدوجہد کرنے اور کچھ تکلیفیں اٹھانے کے لیے جو تیار ہیں وہ یقیناً اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں گے ان شاءاللہ العزیز!!!

ذکر اور عبادت تو ہر شخص شروع کرسکتا ہے اور کر لیتا ہے اور شیخ کامل کی توجہ سے اس کو ذکر وغیرہ میں لطف بھی آنے لگتا ہے۔گرمی، سرور اور نشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔لیکن جب اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ آ جاتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور رکاوٹ زیادہ سخت ہو تو گھبرا کر ذکر وغیرہ چھوڑ دیتا ہے۔اس موقعہ پر ہزاروں سالکان راہ طریقت میں سے دو چار ہی مرد میداں ہوتے ہیں جو ثابت قدم رہتے ہیں ورنہ باقی سب میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔کوئی پیر کامل مریدین کو رکاوٹ پر غالب آنے کا صرف راستہ بتا دیتا ہے۔جو لوگ پیر کی مدد سے سلوک طے کرتے ہیں ان میں ان کی اپنی ذاتی طاقت کبھی پیدا نہیں ہوتی۔وہ اپنے پاؤں پر خود کبھی کھڑے نہیں ہوتے۔ ہمیشہ پیر کے کندھے کا سہارا لے کر چلنے کے عادی ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس اپنا کچھ نہیں ہوتا۔جو کچھ ہوتا ہے سب پیر ہی کا ہوتا ہے۔اس لیے جب کبھی پیر کی طرف سے مدد نہیں ملتی یا پیر فوت ہو جاتا ہے تو ان کی قوت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔

موٹی عقل کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کا کوئی سا بڑا کام بھی بغیر سخت محنت اور مجاہدے کے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیوی امور میں تو منزلِ مقصود کا علم ہوتا ہے اور اس تک پہنچنے کے ذرائع بھی ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص ان ذرائع تک دسترس حاصل نہ کر سکے اور جو لوگ محنت اور عقل سے ان ذرائع کو حاصل کر لیتے ہیں وہ سو فیصد کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن سلوک میں یہ بات نہیں ہے۔ سلوک کی آخری منزل اور مقصد خدا کا قرب' دیدار اور معرفت حاصل کرنا ہے۔ لیکن خدا نہ تو دکھائی دیتا ہے' نہ سمجھ میں آ سکتا ہے' نہ اس تک پہنچنے کے ذرائع ہی سالک کے علم میں ہوتے ہیں۔ اس لیے منزلِ مقصود تک پہنچنا اس وقت تک محال ہوتا ہے جب تک کوئی سچا رہنما اور رہبر نہ ہو۔

رہبر صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو خود منزلِ مقصود تک پہنچ چکا ہو اور راستہ کے اتار چڑھاؤ اور پیچ و خم سے خوب واقف ہو۔ لیکن ایسے رہنما اور رہبر سے بھی پورا فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو سچے طالب ہوں۔ جن کی طلب اس قدر پختہ اور شدید ہو کہ منزل و مدعا تک پہنچنے کے لیے ہر طرح کی تکالیف خندہ پیشانی سے اٹھا سکیں اور کتنی ہی مصیبتیں پڑیں ان کے عزم و استقلال میں کمی نہ آئے۔

تیسری رکاوٹ ماحول ہے: ماحول سے مراد اپنا گھر' ہمسائے' محلّہ اور وہ لوگ جن کی صحبت میں سالک رہتا ہے۔ اگر گھر میں ہر وقت شور و غل اور لڑائی جھگڑا رہتا ہو تو سالک کو وہاں سکون کے ساتھ ذکر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ محلے کے لوگ اگر بداخلاق ہوں' لڑتے جھگڑتے ہوں اور گالیاں بکتے ہوں تو ان کا اثر بھی ضرور پڑتا ہے اور ذکر و عبادت سے جو تھوڑا بہت سکون ملتا ہے وہ زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کی صحبت میں سالک رہتا ہے اگر وہ بدچلن' بداخلاق اور بدخو ہوں تو سالک ان سے بھی اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اگر وہ سالک اللہ کے راستہ پر کامیابی سے چلنا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر کے اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے اور ممکن ہو تو وہ محلّہ اور گھر بھی بدل دے۔

اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی مسجد وغیرہ میں ایسا گوشہ عافیت دریافت کرے جہاں ذکر سکون سے ہو سکے۔ ذکر جب پختہ ہو جاتا ہے تو گھر اور محلّہ وغیرہ کے مخالف حالات کا اثر سالک کی طبیعت پر نہیں پڑتا بلکہ خود اس کا اثر لوگوں پر پڑنے لگتا ہے۔ لیکن جب تک ذکر پختہ نہ ہو اور اس کا اثر سالک کی رگ و پے میں نہ سما جائے اس کو مخالف ماحول سے دور رہنا ہی لازم ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جس بات، جس چیز یا جس آدمی کی وجہ سے اس کے ذکر اور خدا کی یاد میں ذرا سا بھی مخالف اثر پڑتا ہو اس کو چھوڑ دے اور یہ یاد رکھے کہ نہ اس دنیا میں کوئی کسی کے کام آتا ہے نہ آخرت ہی میں کچھ مدد کر سکتا ہے۔ یہ صرف خدا کی ذات ہی ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتی ہے۔ خدا ہی اس دنیا میں اس کی مدد کرتا ہے اور خدا ہی مرنے کے بعد اس کے ساتھ ہوگا اور اس کی مدد کرے گا۔

چوتھی رکاوٹ عسرت وغربت ہے۔ آمدنی کم ہے اہل وعیال کثیر ہیں پھر برادری اور کنبہ کی لغو اور خلاف اسلام وانسانیت رسوم جن میں خرچ نہ کرو تو ناک کٹتی ہے۔ یہ فضول رسمیں پوری کرنی ہی پڑتی ہیں خواہ قرض لینا پڑے۔ رشتہ داروں اور ملنے والوں میں کئی امیر بھی ہوتے ہیں جو اچھا کھاتے، اچھا پہنتے ہیں۔ موٹروں میں پھرتے ہیں ان کو دیکھ کر کڑھنا اور رنج کرنا۔ بچوں اور بیوی کی شکایات کہ ہمارے پاس یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے فلاں کے پاس تو سب کچھ ہے۔ ہمارے لیے بھی ایسا مکان لو۔ ایسے ہی کپڑے اور زیور وغیرہ بناؤ وغیرہ وغیرہ۔ یہ رکاوٹ بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر سالک اس پر غالب نہ آ سکے تو پھر وہ کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس رکاوٹ کا علاج قناعت ہے۔ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے تم کو دے رکھا ہے اس پر تمہارا دل خوش رہے۔ کبھی شکایت کا جذبہ پیدا نہ ہو بلکہ جذبات شکر و سپاس سے تم ہمیشہ مسرور رہو۔ بظاہر یہ بات بالکل ناممکن نظر آتی ہے کہ غربت ونکبت میں بھی انسان ایسا ہی رہے جیسے دولت وثروت میں رہتا ہے۔ لیکن فکر صحیح اور مشاہدہ وسیع سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بات ناممکن تو کیا کچھ زیادہ دشوار بھی نہیں ہے۔ جن لوگوں کی طلب صادق اور ارادہ پکا ہوتا ہے وہ بہت

آسانی سے ان تمام پریشانیوں پر قابو پا لیتے ہیں۔حضور رسول کریم ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرو۔ غریبی ہی حضور ﷺ کا طرہ امتیاز تھی۔اصحاب کبار میں زیادہ تر غریب ہی تھے۔اصحاب صفہ تو سب کے سب ہی نہایت غریب اور مسکین تھے۔اولیائے کرام میں لاکھوں ایسے گزرے ہیں جن کو کئی کئی دن میں ایک وقت پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملتا تھا۔پھر ان کے پاس نہ مکان تھا' نہ اچھا لباس' مگر یہی وہ لوگ تھے جو آسمان ولایت پر مہر درخشاں بن کر چمکے۔وہ سب انسان تھے۔آپ بھی انسان ہیں۔جو کچھ انہوں نے کیا آپ بھی کر سکتے ہیں۔بات صرف اتنی ہے کہ جو لوگ غربت اور مفلسی کی تکالیف کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں ان کی طلب صادق نہیں ہوتی۔مگر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بڑے طالب صادق ہیں۔ہمارے دوستوں میں سے کئی ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ اگر میں اکیلا ہوتا اور بیوی بچے نہ ہوتے تو یہ سب مصیبتیں برداشت کر لیتا۔مگر ان کا کیا کروں۔ان کی تکالیف مجھ سے نہیں دیکھی جاتیں۔مگر ایسا کہنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اگر تم اکیلے ہوتے اور یہ تکالیف بطیب خاطر برداشت کر لیتے تو کمال ہی کیا تھا۔یہ تو ہر شخص کر سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو تو تمہاری آزمائش ہی اس طرح کرنی تھی کہ بیوی بچوں کی تکالیف دیکھو اور تمہارے پائے ثبات میں لغزش نہ ہو اور میدان طلب میں اسی طرح ڈٹے رہو اور آگے بڑھتے چلے جاؤ۔افسوس یہ سب بہانے ہیں طلب صادق کا ان لوگوں میں نام ونشان بھی نہیں۔خود بھی دھوکے میں ہیں اور اپنے شیخ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں۔ایسے لوگوں کو میں یہی مشورہ دوں گا کہ فقر کا نام بھی نہ لیں۔صرف نماز روزہ کر لیا کریں۔اور گھر بیٹھے چین سے دنیا داری کی زندگی بسر کریں اور پھر دیکھیں کہ کیا ان کی غربت ونکبت امارت سے بدل جائے گی۔

قرآن پاک میں اس قسم کی تکلیفوں اور دوسری مصیبتوں کا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ نماز اور صبر سے مدد لو۔یعنی نماز قائم رکھو اور جو مصیبت پڑے خوشی سے برداشت کرو۔دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم اپنی حالت پر خوش نہیں ہو تو پھر ایسا کرو کہ فضا میں ایک رسی لٹکاؤ اور پھانسی کھا کر مر جاؤ اور پھر دیکھو کہ (کیا مرنے کے بعد) تمہاری تکالیف دور ہو جاتی ہیں۔نعوذ باللہ کتنی بڑی اور

شدید وعید ہے۔اگر کوئی آدمی صرف اسی پر اچھی طرح غور کرے تو خدا کی قسم کتنی ہی تنگی و ترشی ہو وہ اس کو خاطر میں نہ لائے گا اور ہمیشہ خوش رہے گا۔پھر قرآن میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے کسی کو نپا تلا رزق دیا ہے اور کسی کو بے حساب عطا فرمایا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کسی کے پاس جو کچھ ہے خدا کی مرضی سے ہے۔تو اے سالکان راہ خدا تم خدا کی مرضی پر خوش کیوں نہیں رہتے اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی کے تابع کیوں کرنا چاہتے ہو۔

اس سال کے دعوت منشور میں جو آیت سرورق پر دی گئی ہے اس کو غور سے پڑھو۔اگر تم اللہ سے دوستی کرنے گھر سے نکلے ہو اور اس کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو تربیت کے لیے طرح طرح کی آزمائشوں میں ضرور مبتلا کیے جاؤ گے۔اگر یہ بات تم کو پسند نہیں تو جاؤ اپنی ایڑیوں پر الٹے واپس لوٹ جاؤ۔اللہ کا قرب یا اس کی لقاء اور معرفت شب برأت کا حلوہ نہیں ہے۔

عسرت و غربت سے بد دل ہو جانے کا ایک علاج حضور رسول کریمﷺ نے یہ بھی بتایا ہے کہ ''جب تم کو اپنی غربت و زبوں حالی کی شکایت ہو تو اپنے سے کمتر لوگوں پر نظر کرو۔'' تم کو لاکھوں آدمی ایسے نظر آئیں گے جو تم سے بھی کہیں زیادہ مفلوک الحال او رمحتاج ہیں۔ان کی حالت سے عبرت حاصل کرو۔اور خدا کا شکر بجالاؤ کہ تم بڑے آرام میں ہو۔

سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ''میں دمشق میں تھا اور میرے پاؤں میں جوتے نہ تھے ننگے پاؤں پھرنے سے سخت زحمت ہوتی تھی اور دل میں سے یہ شکایت اٹھتی تھی کہ اللہ نے مجھے ایک جوڑا جوتا بھی نہیں دیا۔اسی حال میں ایک مرتبہ دمشق کی جامعہ مسجد میں گیا تو دیکھا وہاں ایک شخص مسجد کے فرش پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کے دونوں پاؤں ندارد ہیں۔یہ دیکھ کر مجھے سخت عبرت ہوئی اور میں نے کہا کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے دو پاؤں تو دے رکھے ہیں جن سے میں چل پھر لیتا ہوں۔یہ غریب تو چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے۔'' مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد سعدی صاحبؒ کو ننگے پاؤں پھرنے میں کبھی تکلیف محسوس نہ ہوئی ہوگی۔تکلیف دراصل محض ایک خیالی شے ہے جو اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے بہتر لوگوں کی حالت سے کرنے سے محسوس ہوتی ہے

اس کے سوائے تکلیف کے اور کوئی معنی نہیں ہیں۔ عسرت و غربت سے ایک اور بہت بڑا عیب انسان میں پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام ہے احساس کمتری۔ یہ ایک ایسی لعنت ہے جو انسان کو ایک سیکنڈ بھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سب سے بڑی خرابی اس میں یہ ہے کہ انسان کو خود یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہے۔ جو بچے اپنے ماں باپ یا بزرگوں کو دوسرے لوگوں کی خوشامد اور خدمت کرتے دیکھتے ہیں یا اپنے والدین اور بڑے بھائیوں سے پٹتے رہتے ہیں یا جن کے دلوں میں اپنے متمول رشتہ داروں اور پڑوسی بچوں کے اچھے کھلونے' کپڑے' عمدہ مکانات دیکھ کر یہ امنگیں اٹھتی ہیں کہ یہی چیزیں ہمارے پاس بھی ہوں۔ وہ جب اپنے ماں باپ سے کسی چیز کی فرمائش یا ضد کرتے ہیں اور جواب میں ڈانٹ ڈپٹ سنتے اور مار کھاتے ہیں تو ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کی تمنائیں کچلی جاتی ہیں۔ حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور وہ گلاب کے اس پودے کی طرح مرجھا کر رہ جاتے ہیں جس کو پانی نہ ملا ہو۔ وہ جب بڑے ہوتے ہیں تو بظاہر ان تمام باتوں کو بھول جاتے ہیں لیکن یہ تاثرات ان کے لاشعور میں موجود ہوتے ہیں اور ان کے کردار پر برابر اثر کرتے رہتے ہیں۔ اب دو صورتیں واقع ہوتی ہیں یا تو وہ غم و الم' حسرت و ارمان اور یاس و ناامیدی کا مجسم مرقع بن کر ہمیشہ کے لیے قنوطی بن جاتے ہیں اور دنیوی مراتب و مناصب حاصل کرنے کا خیال تک بھی دل میں نہیں کرتے یا چند خارجی محرکات و ہیجات سے متاثر ہو کر اپنی جھوٹی نمود و نمائش' شیخی' خود پرستی اور خود نمائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اب وہ دوسروں پر اپنی فضیلت کا طرح طرح سے اظہار کرتے ہیں۔ اپنی تعریفیں خود اپنے منہ سے کرتے اور اپنی فرضی بڑائیاں خود بیان کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی اپنی قوم اور ذات کی بڑائی جتاتا ہے' کوئی بیس پشت پہلے کے آباؤ اجداد کے مناصب و مراتب کا ڈھنڈورا پیٹ کر دوسروں کو مرعوب کرنا چاہتا ہے اور کوئی اپنے علم و فضل کی دھاک بٹھاتا ہے۔ اگر اتفاقاً ان میں سے کوئی شاعر ہو جائے تو خدا کی پناہ۔ وہ تو اقبال و غالب کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ کوئی سننا چاہے نہ چاہے وہ اپنا کلام سناتا اور داد چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ ملنے والوں کو راستہ چلتے سڑک پر روک کر' زبردستی غزل خوانی

کرنے لگتا ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ اس کے لچر پوچ کلام کی ضرور داد دی جائے۔ ایسے لوگوں میں سے اگر کوئی شخص اتفاقاً عربی، فارسی یا انگریزی کی دس پانچ کتابیں الٹی سیدھی پڑھ لے تب تو کہنا ہی کیا۔ ارسطو اور افلاطون کی بھی شامت آجاتی ہے۔ وجہ بے وجہ، موقع بے موقع جہاں چار آدمی جمع ہوئے یہ ان کو لیکچر جھاڑنے اور اپنی فضیلت کا رعب بٹھانے لگتا ہے۔ سننے والے لحاظ و مروت اور خوش خلقی کی وجہ سے اس کی باتیں سنتے اور بعض اوقات داد بھی دیتے ہیں۔ لیکن اس طرح یہ لوگ اور بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسد کہ وہ ان بزرگوں کو بھی اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنے لگتے ہیں جو حقیقی معنوں میں اچھے شاعر اور واقعی عالم و فاضل ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ احساس کمتری کے شکار ہمیشہ اپنے متعلق خوش فہمی اور جہل مرکب میں مبتلا رہتے ہیں اور کبھی بھی صحیح معنوں میں ایک بڑا آدمی اور عظیم انسان نہیں بن سکتے۔

اس مہلک مرض کا صرف یہی علاج ہے کہ ان لوگوں پر ان کی صحیح ذہنی، علمی اور اخلاقی حالت کو واضح کر دیا جائے۔ لیکن جو شخص ایسا کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ اس سے لڑ پڑتے ہیں اور اس کو اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے ان کا علاج نہیں ہو سکتا۔ روحانی طور پر ان کا علاج صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ کافی عرصہ تک اپنے شیخ کی صحبت میں رہیں۔ اس کی ہر بات کو بے چون و چرا صحیح مان لیں اور وہ جو کچھ حکم دے اس پر اندھوں کی طرح عمل کریں۔ لیکن ان کا اصل علاج تو اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان سے بے پناہ اور سچی محبت کرے اور جب وہ اس کی محبت کا یقین کرنے لگیں اور اس کو اپنا حقیقی خیر خواہ سمجھنے لگیں تو رفتہ رفتہ ان کی خامیوں اور عیبوں کو بالواسطہ طریقے سے ان پر ظاہر کرے۔ ان شاءاللہ ان کی اصلاح ہو جائے گی۔

(جاری ہے)

عالمگیر آئین

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسولﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان کے لیے جو آخری پیغام قرآن کی صورت میں نازل فرمایا وہ ہر پہلو سے ایک کامل اور عالم گیر آئین ہے جو ساری نسل کی یکساں فلاح کا ضامن اور وحدت آدمیت کا علم بردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس آئین کی بنیاد انفرادی، خانگی، نسلی یا قومی مفادات کی بجائے پوری نسل انسانی کی فلاح و بہبود پر قائم ہے۔ سیدالانبیاء حضرت محمدﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کسی ایک قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نہیں بلکہ کرہ ارض پر بسنے والی ساری اولاد آدم کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپﷺ کے سوا کسی بھی دوسرے رسول نے یہ اعلان نہیں فرمایا کہ اے بنی نوع انسان میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی ہدایات کا آخری اور مکمل مجموعہ قرآن کریم وہ منفرد کتاب ہے جو تمام دنیا کے انسانوں کو ہدایت اور نور کی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے یہ اعزاز بھی اللہ کی اس آخری کتاب کو حاصل ہے کہ اس میں خالق کائنات اپنی مخلوق سے براہ راست خطاب فرماتا دکھائی دیتا ہے۔

مکمل ہدایات پر مشتمل اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مرکزی حیثیت اور روحانی عظمت کا احساس دلا کر مادی قوتوں اور مظاہر فطرت کے خوف سے نجات دلائی۔ اس طرح انسان کو اپنے اردگرد موجود اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے کی ترغیب اور جرات ملی۔ اس آئین کے ذریعے یہ تعلیم دی گئی کہ پوری کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے اور تمام انسانوں کا باپ ایک ہی تھا یعنی وحدت الوہیت اور وحدت آدمیت کا درس دیا گیا۔ اس طرح امن عالم کے سب سے

بڑے دشمن رنگ ونسل اور وطنیت وقومیت کے بتوں کا قلع قمع کر کے وحدت انسانیت اور عالم گیر اخوت کی راہ دکھائی۔ نسلی اور پیدائشی فوقیت کے جھوٹے اصولوں کی بجائے ذاتی اہلیت اور کردار و اخلاق کی بلندی کو عزت و اکرام کا معیار بنانا سکھایا۔ اس دائمی شریعت کے قوانین کسی خاص قوم اور مخصوص زمانے کے رسم و رواج پر مبنی نہیں ہیں بلکہ انسانوں کے ان جبلی تقاضوں اور فطری ضروریات پر مبنی ہیں، جو تبدیل نہیں ہوتے۔ اس شریعت میں انسان اور انسان کے درمیان بجز عقیدے اور عمل کے کسی اور چیز کی بنا پر کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی۔

دنیا کے کسی بھی کونے میں بسنے والا انسان بلالحاظ رنگ ونسل اور قوم وزبان اس عالم گیر آئین کے اصولوں پر ایمان لا کر ماننے والے گروہ یعنی ملت اسلامیہ میں بالکل مساوی حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ دین اسلام میں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کا اصول کارفرما ہے جس کے مطابق سب سے زیادہ عزت و اکرام کا مستحق اسے سمجھا جاتا ہے جو اللہ کے آئین کا سب سے زیادہ پابند ہو۔ اس میں انسانوں کو ظاہری قد کاٹھ اور دولت کے ٹھاٹھ باٹھ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے ساتھ محبت کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور ایسا نظام وجود میں لایا جاتا ہے جس میں حکومت و امارت صرف متقی اور پرہیزگار لوگوں کے ہاتھوں میں رہے تاکہ لوٹ مار اور دولت جمع کرنے کے رجحان کی بجائے سادگی اور انسانیت کی خدمت کی روش کو فروغ ملے۔ ان فطری قوانین پر عمل پیرا ہونے سے معاشرتی مساوات، عدل وانصاف اور اسلامی اخوت پر مبنی جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اس میں اس اعلیٰ طبقہ کے لیے دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ کسی خصوصی استحقاق اور مراعات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دین میں ہر قسم کے طبقات کو ختم کر کے انسانی مساوات اور وحدت آدم کی راہیں ہموار کی جاتی ہیں۔ صرف خاص لوگوں کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے کی بجائے پوری انسانیت کے اکرام کا درس دیا جاتا ہے اسلئے یہاں درجہ بندیوں کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ نہ مسجد میں، نہ مکتب میں، نہ ریل میں، نہ جیل میں، نہ چوپال میں، نہ ہسپتال میں، حتیٰ کہ امیر مملکت کے لیے کوئی استثنیٰ نہیں ہے اور وہ بھی اپنے

بھائیوں کے درمیان ایک عام شہری کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، کوئی شخص جو آج دائرہ اسلام میں داخل ہو اس کے لیے بھی اسلامی معاشرہ میں وہی حقوق ومراعات ہیں، جو امیر المومنین کیلئے ہیں۔

عورت جو زمانہ قدیم سے مردوں کے ظلم وستم کا شکار چلی آتی تھی اس آئین کے تحت ایک قابل احترام ہستی قرار پائی، اسے مردوں کے برابر معاشرتی حقوق مل گئے بلکہ ایک لحاظ سے اسے مردوں پر بھی فوقیت حاصل ہوگئی کیوں کہ پیدائش سے لے کر موت تک اسے نان ونفقہ کی فکر اور کسب رزق کی صعوبتوں سے آزاد کر کے اس کی کامل ذمہ داری مردوں پر ڈال دی گئی۔ اس خصوصی حیثیت کے باوجود اسے اپنے باپ، خاوند اور بیٹوں کی جائیداد سے باقاعدہ حصہ ملتا ہے۔ اسے اپنی جائیداد رکھنے اور ذاتی کاروبار کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس پر کسی قسم کی مالی ذمہ داری ہرگز نہیں ہے۔ ہر انسان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے کی ترغیب دلانے کے لیے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔

قرآن کریم میں انسانی خون کی حرمت اور جان کا تقدس اس قدر بڑھا دیا گیا ہے کہ حکم فرمایا گیا کہ جس شخص نے ایک انسان کو قتل کر دیا وہ اللہ کے نزدیک ساری نسل انسانی کا قاتل ہے اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی وہ اللہ کے ہاں ایسا ہے جیسے ساری نسل انسانی کا محافظ ہو۔ اللہ رحیم وکریم کے دین رحمت میں تو حیوان اور پرندوں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جانور تو جانور اسلام میں درختوں کو بھی بلاضرورت کاٹنے اور نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے۔ اللہ کا عطا کردہ آئین عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور حسن معاشرت کا داعی ہے اور اپنے ماں باپ، قرابت داروں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، پڑوسیوں، ہم سفروں اور کام کاج کے ساتھیوں کے ساتھ ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حسن معاشرت اور خوش خلقی کی اہمیت جتلاتے ہوئے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہے جسکے پڑوسی اسکے شر سے محفوظ و مامون نہ ہوں۔ علامہ اقبالؒ کے زمانہ میں

بین الاقوامی لڑائیاں جھگڑے نمٹانے کے لیے جمعیت اقوام بنائی گئی تھی جس کا ہیڈ کوارٹر جنیوا تھا علامہ اقبالؒ اس تنظیم کی خامیاں اور اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس دور میں اقوام کی صحبت ہوئی عام — پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود — اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام — جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم؟

اللہ کا دین صلح و آشتی، محبت و رافت، امن و سلامتی اور اصلاح و فلاح کا علم بردار آئین ہے اس میں جو عبادات فرض قرار دی گئی ہیں، ان سے مقصود اللہ کی محبت اور اس کی مخلوق کی خدمت کے جذبہ کو ہر وقت تازہ رکھنا ہے تا کہ انسان مطلوبہ تربیت کے سانچوں میں ڈھل کر مثالی فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے قابل بن سکے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی چند آیات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس سے یہ امر روشن ہو جائے گا کہ اللہ کا یہ آئین انسانوں کو کس رنگ میں رنگنا چاہتا ہے اور کیا کوئی صحیح الفطرت سلیم الطبع انسان اس پاک وصاف اور نفع بخش تعلیم کی افادیت سے انکار کر سکتا ہے؟

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ : ۱۷۷)

''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، روز آخرت، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں یتیموں محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کر لیں تو اُس کو پورا کریں۔ سختی اور تکلیف میں اور معرکہ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے اور یہی لوگ متقین ہیں''۔

”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ لوگو! آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے ربّ نے تم پر حرام کی ہیں یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرتے رہنا اور نا داری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیوں کہ تمہیں اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُن کے پاس نہ پھٹکنا اور کسی جان والے کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا، مگر جس کی شریعت اجازت دے، ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا، مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔“

(الانعام: ۱۵۱تا۱۵۳)

اللہ کا دین ایک عالم گیر لائحہ عمل ہے جو بنی نوع انسان کی پوری زندگی کو اس نہج پر منظم کرنا چاہتا ہے جس سے دنیا میں امن و امان اور اکرام انسان کا دور دورہ ہو اور سائنسی اور روحانی ترقی اپنے عروج کو پہنچ جائے اور ساری ترقی کا مقصود خدمت خلق اور رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کہ آخرت کی حقیقی زندگی میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی تشریف آوری سے قبل پوری دنیا اخلاقی تنزل و انحطاط کی دلدل میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انسانوں کی خرید و فروخت کے لیے با قاعدہ منڈیاں لگتی تھیں۔ عورتوں کو انسانوں سے کم تر اور حقیر مخلوق جانا جاتا تھا اور اسے بھی اموال و اجناس کی طرح خریدا اور وراثت میں منتقل کیا جاتا تھا۔ کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ شراب جوئے، لوٹ مار اور قتل و غارت جیسے کاموں پر فخر کیا جاتا تھا۔ بادشاہوں، مذہبی راہنماؤں اور قبیلوں کے سرداروں کو خدائی کا درجہ حاصل تھا

انسان جسے اللہ تعالیٰ نے مسجودِ ملائکہ بننے کا شرف عطا کیا، اس حد تک گر گیا کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں، چاند، سورج، ستاروں، جنگلی جانوروں اور آگ کے سامنے سربسجود ہونے کو معراجِ زندگی سمجھ بیٹھا۔ پوری انسانیت تفرقات، امتیازات، توہمات اور ظلم و استحصال کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی سسکیاں لے رہی تھی۔ حضور رحمت للعالمین ﷺ نے آ کر پورے عالم کو منور فرما دیا اور بنی نوعِ انسان کو ان بتوں سے نجات دلائی جو مفسدین اور متکبرین نے اس کی گردن پر ڈال رکھے تھے۔ آپ ﷺ نے وحدتِ الوہیت کے ساتھ ساتھ وحدتِ آدمیت کا درس دے کر انسان کی ذات کو مکرم و محترم بنا دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری سال میں جب فریضہ حج ادا فرمایا تو اس وقت پورا عرب آپ کی اطاعت میں داخل ہو چکا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کم و بیش ایک لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے جس عالمگیر انسانی حقوق کے منشور کا اعلان فرمایا وہ رہتی دنیا تک مینارہ نور رہے گا۔ اس مشکوٰۃ نبوت کی چند کرنیں مختصر اقتباس کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں۔

☆ لوگو! بے شک تمہارا ربّ ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ بھی ایک ہے۔

☆ کسی بھی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے سبب سے۔

☆ ہاں تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو بھی پہناؤ

☆ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے۔

☆ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں۔

☆ تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو تم پر باہم قیامت کے دن تک اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ مقدس دن اس مہینہ اور اس شہر میں محترم ہے۔

مجرم اپنے جرم کا آپ خود ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

ا

نقوشِ مہر ووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

باباجانؒ کو بات چیت کے دوران کسی کا فون آیا اور اس پر بات چیت شروع ہو گئی۔ فرمانے لگے: کیا حال ہیں بیٹا؟ ٹھیک تو ہیں آپ؟ بڑے دنوں کے بعد ملاقات ہو رہی ہے۔ سنا ہے کہ آپ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ہاں ایسے لگ رہا تھا،آپ آ نہیں رہے،کوئی Interest نہیں لے رہے۔میں نے کہا یہ کیا بات ہے۔(دوسری طرف سے کچھ باتیں ہوئیں تو گفتگو کا موضوع شروع ہوا، دوسری طرف سے جو کچھ کہا یا پوچھا گیا اس کے بارے میں تو معلوم نہیں مگر باباجانؒ نے یہ باتیں کیں)۔یار! وہ غلام احمد پرویز تو بڑا مشہور آدمی ہے۔وہ تو پرانا ہے۔اب تو چلا گیا،ان کا زور شور بھی ٹوٹ گیا۔وہ اپنے زمانے میں تو بڑا مشہور تھا۔'پرویزی' ایک فرقہ ہی کہلاتا ہے۔غلام احمد پرویز ہے ناں! اسی سے ہے'پرویزی'۔ہاں! وہ احادیث کو نہیں مانتے۔ کہتے تو ہیں کہ ہم مانتے ہیں لیکن ویسے نہیں مانتے۔وہ ہر چیز کی نئی تاویل کرتے ہیں۔باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کے ساتھ پرویز صاحب دہلی میں رہے ہیں۔وہ بھی سرکاری ملازم تھے۔اب تو وہ فوت ہو گئے،ان کا رسالہ ہے'طلوعِ اسلام'۔ان کے بعد تھوڑے ہی لوگ ہیں جو کام کر رہے ہیں ورنہ ان کی کوئی خاص پذیرائی نہیں ہوئی تھی۔

لوگوں کے اپنے خیالات میں باتیں ہوتی ہیں۔کافی اعتراضات کئے ہوتے ہیں،یہ تو ہوتا ہی ہے۔صحیح فیصلے کے لئے جو ہوتا ہے وہ دونوں طرف کے بیانات پڑھے جائیں۔اِدھر کے بھی پڑھے جائیں،اُدھر کے بھی پڑھے جائیں۔امام غزالیؒ کو پڑھیں جنہیں دنیا امام مانتی ہے۔

ان کی کتاب 'تلاشِ حق' پڑھیں ۔انہوں نے لکھا ہے کہ دنیا میں کوئی صحیح طریقہ ہےتو وہ صوفیاء کا ہی طریقہ ہے ۔صوفیاء ہی حضور نبی کریم ﷺ کی صحیح تعلیم کے علمبر دار ہیں ۔وہ امام غزالیؒ پہلے عالم بنے ، عالم فاضل تھے ۔بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے صدر رہے ۔وہاں بادشاہ بھی اپنے دربار سے آکر بیٹھتے تھے ۔امام غزالیؒ نے یہ سب کچھ چھوڑ کر سفر کیا اور اپنا سفر نامہ لکھا ہے: المنقذ من الضلال. تلاشِ حق ۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں جب اپنے اندر دیکھتا ہوں ، تو دیکھتا ہوں کہ اندھیرا ہی اندھیرا ہے، میں لیکچر تو بہت اچھے دیتا ہوں لیکن دل میں وہ بات پیدا نہیں ہوئی ۔پھر انہوں نے ارادہ کیا کہ میں یہاں سے سب چھوڑ کر چلا جاؤں، ابھی میرا اپنا کام ٹھیک نہیں ہوا ۔دوستوں سے مشورہ کیا تو کوئی نہیں مانا کہ آپؒ کو یہاں اتنا بڑا عہدہ ملا ہوا ہے، ساری اسلامی دنیا آپؒ کی معترف ہے، بادشاہ آپؒ کے پاس آکر بیٹھتا ہے لیکن وہ دل نہیں مانتا تھا آخر کار اللہ کی طرف سے اشارہ ہوا اور ان کی زبان بند ہوگئی ۔طبیبوں نے کہا کہ کوئی سخت صدمہ ہوا ہے ۔انہوں نے لکھا کہ میں لیکچر نہیں دے سکتا تھا، بس پھر یہی ہوا کہ دل میں جو بات تھی اس کے لئے میں وہاں سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ آیا ۔امام غزالیؒ شہروں میں پھرتے رہے اور اسلامی دنیا کا سفر کیا ۔اللہ اللہ کی اور پھر اس کے بعد وہ "کیمیائے سعادت" اور 'احیاء العلوم فی الدین' لکھیں ۔ (دوسری طرف کچھ باتیں ہوئیں تو فرمانے لگے)

ہاں ان مولانا مودودی صاحبؒ کے پاس کافی مواد "اسلامی فیصلے، قرآنی فیصلے بجواب آسمانی فیصلے" کی طرز پر چھپتے رہے ۔وہ کتابی صورت میں بھی چھپی ۔ان کے پاس بھی بڑے Strong دلائل تھے ۔چلو باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے تو کوئی بات قرآن کے خلاف کی ہی نہیں ہے ۔اللہ کا ذکر کہا کہ کثرت سے کرو، وہ کرنا ہی ہے ۔ کیسے کریں گے یہ ہمیں سوچنا چاہئے کہ کیسے کرنا ہے، اس کا طریقہ بھی بتایا کہ ایسے کرو ۔(دوسری طرف سے مزید کچھ کہا گیا تو فرمانے لگے)

یہ تو اس کا خیال ہے ۔آپ کا نام ساجد ہے ۔اب کوئی آدمی ساجد کہے گا تو آپ

متوجہ ہو جائیں کیونکہ آپ کا نام ساجد ہے۔ یہ نام ہی ہے، ایک حرف ہی ہے ہاں لیکن جب بھی آپ کو پکارا جائے گا آپ متوجہ ہو جائیں گے۔ کوئی پکارے گا تو آپ کی توجہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ آپ کا نام پکارا جائے۔ آپ بازار میں جا رہے ہوں اور آپ کو آواز آ جائے 'ساجد' تو آپ مڑ کر دیکھیں گے کہ مجھے کسی نے بلایا ہے۔ تو یہ بھی اللہ کا نام ہے۔ اس کی توجہ حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کا نام لو۔ اللہ بھی کہتا ہے کہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ . اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرو۔ آپ جب بھی کسی کا نام پکارتے ہیں۔ ماں باپ کوئی بھی دوسرا نام رکھ سکتے تھے مگر جو رکھا گیا تو اسی کو پکارنے سے متوجہ ہو گا۔ اللہ کی توجہ حاصل کرنے کا بھی ایک ہی طریقہ ہے۔ اللہ نے کہا ہے کہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلاً ۔ اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرو۔ یہ بھی نہیں کہا کہ اللہ کو یاد کرو۔ کہا کہ اس کے نام کا ذکر کرو۔ اس کا نام ہے، اس کو پکارا جاتا ہے، اسی سے اُس کی توجہ مل جاتی ہے۔ جس کو بھی پکاریں۔ نام لیں وہ فوراً متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ بھی متوجہ ہو جاتا ہے، جب اس ذات کا نام کا پکارا جاتا ہے۔ اس کے ننانوے نام ہیں۔ قرآن میں کہا ہے کہ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ۔ اللہ کے سوہنے سوہنے نام ہیں۔ فَادْعُوْهُ بِهَا ۔ یہی کہا ہے کہ نام۔ انہیں کے ذریعے اسے بُلاؤ، انہیں کے ذریعے اِسے پکارو۔ اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ انہیں سے پکارو۔ فَادْعُوْهُ بِهَا ۔ انہیں ناموں سے ہی پکارنا ہے، جیسی آپ کی غرض ہے۔ جیسے رزق چاہئے تو ''یا رزّاق'' ۔ آپ اس کے ان پیارے پیارے ناموں سے پکارو تو ان کے اثرات جو ہیں وہ مرتب ہوں گے۔ اللہ نے خود کہا کہ سوہنے سوہنے نام ہیں انہیں سے پکارو تو اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ یہ تو سیدھی سیدھی باتیں ہیں۔

ہاں جی! یہ تو بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لئے تو زندگی چاہئے۔ چلو آپ آیا کریں، ملا کریں۔ یہ باتیں جو ہم آپ کو بتا رہے ہیں، یہ سیدھی سیدھی بات ہے کہ جس کا نام پکارو وہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ اللہ بھی کہتا ہے کہ میرا نام پکارو۔ میرے سوہنے سوہنے نام ہیں ان سے مجھے پکارو۔ فَادْعُوْهُ بِهَا ۔ اسی سے پکارو، تو ذکر بھی یہی کہا کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ ۔

اپنے ربّ کو یاد کرو۔۔۔سورۃ الاعلیٰ میں بھی آیا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى o وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۔

''وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا''۔نام کا ہی ذکر ہے، نام کا ہی ذکر کرنا ہے۔ یہی ذکر ہے اُس کا۔سب نے یہی کیا۔

مولانا غلام مرتضیٰ ملک تھے، وہ شہید ہو گئے، کبھی کبھی آیا کرتے تھے۔انہوں نے کافی کتابیں لکھی ہیں۔مدینہ شریف میں یونیورسٹی میں پڑھاتے بھی رہے۔بڑے اچھے طریقے سے وعظ کرتے تھے، آہستہ آہستہ بات کرتے۔انہوں نے کتابوں میں لکھا بھی۔باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) کی کتابیں بھی پڑھیں۔انہوں نے ٹی وی پر اعتراف بھی کیا کہ پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ یہ ذکر کا مطلب تھوڑا ہے کہ اللہ اللہ کیا کرو لیکن میں غلطی پہ تھا۔یہی مطلب ہے۔اللہ کے ذکر کا مطلب ہے کہ اللہ اللہ ہی کرنا ہے۔اس لفظ کو Repeat کرنے کا نام ہی ذکر ہے۔انہوں نے کہا کہ میں غلطی پہ تھا، میں بہت دنوں کے بعد لوٹا ہوں اس بات پہ کہ ذکر کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نام کو بار بار پڑھا جائے۔یہی ذکر ہے۔

قرآن 'ہی' ذکر ہے۔نہیں! ہم کہتے ہیں کہ قرآن 'بھی' ذکر ہے۔قرآن 'ہی' نہیں، قرآن 'بھی' ذکر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ نماز 'ہی' ذکر ہے۔قرآن میں کہا ہے کہ **وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي** ۔نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔ میرے ذکر کے لئے۔وہ تو سند ہے قرآن کریم۔ قرآن کو کہا کہ **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** ۔وہ بھی کہا کہ **وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي** ۔نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے۔یعنی وہ کہتے ہیں کہ نماز 'ہی' ذکر ہے۔ہم پھر بھی وہی کہتے ہیں کہ نماز 'بھی' ذکر ہے۔یہ ذکر تو ہے ہاں! کہ نماز پانچ وقت اہتمام کے ساتھ، شرائط کے ساتھ، اوقات کی پابندی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔لیکن ایک ذکر اس نے خود بتایا کہ:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِكُمْ ۔

''جب نماز پڑھ چکو تو پھر اللہ کا ذکر کرو، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے''۔تو اب یہ کیا ہے؟

نماز کے بعد پھر نماز کا کیا مطلب ہے؟ سورۃ جمعہ میں بھی آتا ہے کہ:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔

جب نماز ادا کر چکو تو چھوڑ دو مسجد۔ پہلے تو حکم دیا کہ کاروبار چھوڑ دو اور مسجد میں آؤ۔ اب کہا کہ جب نماز ہو چکی تو جاؤ۔ چھوڑ دو مسجد کو اور، زمین پہ پھیل جاؤ۔ اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ اس دوران بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

اب یہ مسجد کو چھوڑ کے، نماز کو چھوڑ کے پھر ذکر بتایا تو ظاہر ہے کہ اس سے علیحدہ ہے۔ نماز بھی ذکر ہے، کہا کہ اس میں بھی اُس کو یاد کیا کریں۔ بلکہ جنگ میں کہا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُواْ وَاذْكُرُواْ اللَّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُونَ ۔

''جب کبھی دشمن کی کسی جماعت سے آمنا سامنا ہو جائے تو ثابت قدم رہو۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ''۔ یعنی جنگ کے دوران بھی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے حملے کرو۔ اللہ کے ذکر سے ضربیں لگاؤ۔ گولیاں چلا رہے ہو تو اللہ کے ذکر سے ہی نام لے کے فائر کرو۔ کہا ہے تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ اس کا جنگ میں بھی کہا ہے۔ وہاں بھی ذکر کی کثرت سے چھٹی نہیں ملی۔

تحقیق کی بات یہ ہے کہ قرآن کی یہ آیات جو ہیں یہ بتاتی ہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد بھی ذکر کرو۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، لیٹے۔ تو یہ لیٹنے والی کونسی نماز ہے؟ جو لیٹے ہوئے ادا ہوتی ہے۔ وَعَلَى جُنُوبِكُمْ۔ کھڑے، بیٹھے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رکوع اور سجود ہیں لیکن وَعَلَى جُنُوبِكُمْ وہ پہلو پہ لیٹے کونسی نماز ہے؟ وہ نماز بھی ذکر ہے۔ وہ بھی ذکر ہے لیکن یہ ذکر جو چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے بتایا گیا ہے یہ اس کے علاوہ ہے۔ یہ الگ سے کرنا ہے۔

''جو دَم غافل، وہ دَم کافر''۔ قرآن میں سورۃ اعراف میں بتایا گیا ہے کہ

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ۔

آواز نکالے بغیر پڑھو۔ وہ کونسا ذکر ہے۔ یہ وہ علیحدہ ذکر ہے۔ یہ اپنے اپنے انداز ہیں، کچھ وہ ہے جو ہر ایک نے کرنا ہے۔ کچھ وہ ہے جو خاص خاص لوگوں نے کرنا ہے۔ جیسے جیسے کریں گے، ویسے ویسے اجر ملے گا۔

باباجانؒ فرمانے لگے کہ بیٹا! یہ بیٹھ کے کرنے والی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ یک طرفہ لکھتے ہیں۔ وہ ایک طرف کی باتیں پڑھیں گے تو ان کا ہی غلبہ ہو جائے گا۔ اس میں بُری بات کونسی ہے جو اللہ کا ذکر بتاتے ہیں، پھر تو نماز بھی حروف ہی پڑھتے ہیں، وہ پڑھتے رہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ اگلی رکعت۔ پھر اگلی میں وہی کچھ دوبارہ، تو یہ کیا بات ہوئی۔ اللہ کا نام ہی اس کا ذکر ہے۔ ہاں یہ اگر اُن کے پیچھے پڑھیں گے تو اثر کیسے ہوگا؟ جب ایسے گُرو کے پیچھے پڑھیں گے تو اثر کیسے ہوگا؟ اصل بات جو ہے وہ گُرو کی ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہے، اس سے بہتر تحفہ دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ لیکن اس کو دیکھ کے یا اس کو پڑھنے سے آپ صحابی نہیں بن سکتے۔ خانہ کعبہ، بیت اللہ جو ہے یہ اللہ کا گھر ہے، آپ اس کو دیکھ لیں، اس کے اندر بھی داخل ہو جائیں، اس کا طواف کریں، سو دفعہ کر لیں، آپ صحابی نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کو جس نے ایک مرتبہ بھی ایمان کے ساتھ دیکھ لیا، وہ صحابی ہو گیا اور اس کے درجے کو اور کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ ہے زندہ شخصیت سے ملاقات کا درجہ۔ ان کو جس نے بحالت ایمان ایک مرتبہ بھی دیکھ لیا، وہ صحابی بن گیا۔ کوئی غیر صحابی ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ سمجھے ناں آپ! یہ ہے زندہ شخصیت کو ملنے کی بات۔ کوئی غیر صحابی جتنی مرضی عبادت کرے۔ حضور ﷺ کے دیکھنے سے ایسا ایمان اندر داخل ہو جاتا تھا کہ وہ کسی اور طریقے سے داخل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ بات ہے۔ کسی بندے سے ملیں ناں! تو پتہ چلتا ہے کہ نماز کیا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو راہِ راست پر رکھے اور غلط راستے سے بچائے رکھے۔ آپ آئیں گے تو بیٹھ کو بات ہوگی۔ (دوسری طرف سے کچھ باتیں ہوئیں)

ہم نے اس کا سارا کچھ پڑھا ہے۔ اس کا لٹریچر بھی پڑھا ہے۔ اس کا "**طلوعِ اسلام**"

رسالہ بھی ہمارے پاس آتا رہتا تھا۔ان کی کوئی Base نہیں ہے۔چند ایک مسائل تھے کہ وہ ایسے ایسے کرتے ہیں۔یہ سارے علماء ایسے کرتے ہیں۔یہ حدیث کا ٹھیک ہے کہ جو قرآن کا مقام ہے وہ حدیث کا نہیں ہوسکتا۔لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔کیونکہ اگر حدیث نہیں ہے تو پھر نماز کیسے پڑھیں گے۔نماز کے بارے میں قرآن میں ساڑھے سات سو دفعہ آیا ہے کہ نماز پڑھو۔ نہ تو اس کا طریقہ بتایا ہے کہ کیسے پڑھنی ہے، رکوع و سجود کیسے کرنے ہیں، کھڑا کیسے ہونا ہے، شرائط کیسے پورے کرنے ہیں۔یہ سب قرآن میں نہیں بتایا گیا۔اگر حدیث نہ ہوتو وہ کہاں سے معلوم کریں گے۔یہ اس کی ضرورت ہے کہ اس کی بنیاد قرآن میں ہونی چاہئے۔اس کی تشریح جو ہے وہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اعمال سے کی۔اس کو Follow کرنا ہے۔وہ ضروری ہے۔اس کے بغیر قرآن کی تشریح نہیں ہوسکتی۔قرآن پر عمل جو ہے وہ حضور ﷺ کے طریقہ پر کرنا ہے۔ یہ بات ہے۔چلو انشاء اللہ پھر کبھی۔کرتے رہا کریں فون۔کچھ نہ کچھ Clear ہوتا رہے گا انشاءاللہ۔اچھا جی بیٹا۔(دوسری طرف سے کچھ باتیں ہوئیں)

ہاں جی! وہ بالکل Clear بات ہے۔وہ علیحدہ ہے۔یہ بھی اس طرح کریں۔ یہ Minimum ہے۔یہ Minimum ذکر ہے۔پانچ وقت کی نماز جو ہے وہ Minimum ہے، وہ کرو۔جو اس سے زیادہ کرنا چاہتا ہے، وہ ہر وقت کرے۔نوافل پڑھو۔کتنی نمازیں بتائی ہیں۔نوافل کے لئے تو کوئی تعداد بھی نہیں رکھی۔اب یہ حضور ﷺ کا طریقہ جو ہے اسے دیکھیں۔ یہ مسجد نبوی ﷺ جو ہے، وہاں کبھی کسی غیر کا قبضہ نہیں ہوا۔حضور ﷺ کے زمانے سے وہاں جو تسلسل چل رہا ہے وہ کبھی Break نہیں ہوا۔ایسا نہیں ہے کہ جی کوئی دو چار صدیاں غائب رہیں اور پھر مسلمانوں نے یہ پانچ نمازیں بنالی ہیں۔Same ہی ہیں کہ پانچ ہی ہیں۔قرآن میں بھی لکھا ہوا ہے کہ پانچ ہی ہیں۔ایسے ان کے کہنے سے تو نہیں ہے کہ دو ہیں۔اس لئے تو اس کو پذیرائی نہیں ہوئی جو مرضی وہ کرتے رہے۔سارے عالم اسلام میں اربوں مسلمان ہیں۔ ان میں یہ کہاں ہیں؟ پاکستان میں یہاں ان کو ماننے والے کچھ لوگ مل گئے۔یہاں کچھ

مرزا غلام احمد کو بھی مل گئے ہیں۔

تو یہ نہیں کہ دو نمازیں ہیں کہ صبح شام پڑھو۔ یہ پرانا ہے۔ ادھر ایک چکڑالہ تھا۔ وہ چکڑالوی ہوتے تھے۔ وہ اس کو چکڑالوی کہتے تھے۔ یہ اہل قرآن کہلاتے تھے۔ دو ہی نمازیں پڑھتے تھے۔ بس صبح اور شام۔ یہ چکڑالوی کرتے تھے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ یہ انہیں سے خوشہ نشینی کی ہے اور اس پر چل پڑے ہیں۔ جو کام رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے تسلسل سے ہوتا آیا ہے، اسی پر چلنا ہے۔ آپ دنیا کے کسی اور کونے میں چلے جائیں۔ لیبیا میں چلے جائیں، وہ ہزاروں میل دور ہے۔ وہاں بھی آپ دیکھیں گے کہ یہی مسجدیں ہیں۔ ایسے ہیں نماز پڑھ رہے ہیں۔ سارے پانچ پڑھتے ہیں۔ یہ کشف سارا ہندوستان میں ہوتا ہے؟ غلام احمد کو ہوتا ہے یا پھر غلام محمد کو ہوتا ہے۔

بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) کسی کا نام پوچھتے تھے کہ کیا نام ہے؟ کبھی کبھی کوئی کہتا کہ میرا نام غلام محمد ہے تو کہتے اچھا اچھا شکر ہے۔ غلام احمد نہیں ہے۔ دونوں غلام احمد بیکار ہی نکلے۔ وہ مرزا بھی غلام احمد تھا، یہ بھی غلام احمد پرویز ہے۔ مسلمانوں کو سیدھے راستے سے ہٹانے کے سارے کشف ان کو ہی ہوئے۔ اسمبلی نے بڑا کام کیا کہ متفقہ فیصلہ دیا کہ یہ مرزائی جو ہیں یہ کافر ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ کہتے تھے کہ ہم کلمہ پڑھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ہمارا قرآن ایک ہے۔ باوجود اس کے کہ ہمارا سب کچھ ایک ہے۔ لیکن اصولِ دین میں سے ایک یہ جو ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی نبوت کے قائل ہیں، بس آپ کافر ہو گئے۔ آپ محمدی ﷺ نہیں ہیں۔ ہم موسیٰؑ کو مانتے ہیں، ہم یہودی نہیں ہیں۔ ہم عیسیٰؑ کو اللہ کا سچا نبی مانتے ہیں، ہم عیسائی نہیں ہیں۔ عیسائی وہ ہے جو عیسیٰؑ کو آخری نبی مانتا ہے۔ یہودی وہ ہے جو موسیٰؑ کو اللہ کا آخری نبی مانتا ہے۔ ان کی امت ہیں جس کو جو آخری نبی مانتا ہے وہ اس کی امت کہلاتا ہے۔ عیسائی عیسیٰؑ کو آخری نبی مانتے ہیں، حضور ﷺ کو نہیں مانتے، اس لئے وہ عیسائی ہیں۔

ہم سب کو مانتے ہیں لیکن جو آخری نبی ﷺ ہیں، ہم ان کی اُمت ہیں۔ ہم مسلمان تمام انبیاء پر یقین رکھنے والے ہیں۔ جو حضور ﷺ کے بعد کسی کو مانتا ہے وہ مانتا رہے لیکن وہ اس کی امت کہلائے گا، جس کو وہ حضور ﷺ کے بعد آخری نبی مانتا ہے۔ وہ غلام احمدی ہے، وہ احمدی نہیں ہے۔ جس کو وہ آخری نبی مانتے ہیں اسی کی امت کہلاتے ہیں۔ بس سیدھا سا مسئلہ ہے۔ ہم سب کو مانتے ہیں۔ عیسیٰؑ کو بھی اور موسیٰؑ کو بھی لیکن نہ ہم یہودی ہیں نہ ہم عیسائی ہیں۔ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تمام انبیاء علیہ السلام پر ایمان لانا ہے، ہم سب پر ایمان لاتے ہیں۔ مرزائی لاکھ کہیں کہ ہم حضور ﷺ کو مانتے ہیں، تو مانیں۔ ہم بھی عیسیٰؑ کو مانتے ہیں لیکن ہم عیسائی نہیں ہیں۔ وہ جس کو آخری نبی مانتے ہیں، اس کی امت ہیں۔ غلام احمدی کہو، مرزائی کہو، احمدی کہو، یا جو مرضی کہو۔ قادیانی ہو۔ وہ قادیان میں پیدا ہوا تھا۔ یہ سیدھی سی بات ہے کہ ان کے سب کو ماننے کے باوجود بھی اسمبلی میں متفقہ طور پر انہیں کافر قرار دیا گیا۔ یہ کافر ہیں۔ ملت اسلامیہ سے یہ خارج ہیں۔ اب وہ نہ تو سعودی عرب جا سکتے ہیں، نہ مکہ جا کر حج کر سکتے ہیں۔ نہ مدینہ جا سکتے ہیں۔ اب ان کو پتا چل گیا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ایسی تاویلوں سے تو کام نہیں چلتا ناں جی۔ (دوسری طرف سے بات ہونے لگی)

ٹھیک ہے اس کو دوسری طرف سے بھی حل کرنا چاہئے۔ پوچھنا چاہئے۔ اس کے لئے بیٹا ریسرچ کرنے کے لئے تو بہت عمر چاہئے ناں۔ اتنا ٹائم کس کے پاس ہے۔ وہ مرشد کے لئے باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے کہا ہے کہ مرشد اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ کوئی بندہ مل جائے جس نے ریسرچ کی ہو اور آپ کو پڑھا پڑھایا بتا دے کہ یہ حقیقت ہے۔ ہاں جی یہ بات ہے۔ اچھا جی بیٹا! آپ کوئی کام شام کریں۔ اللہ برکت دے، صحیح راہِ راست پر رکھے۔ السلام علیکم۔ (فون بند ہو گیا)۔

قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کے خط بنام: محمد عمر ساجد

مورخہ: 06.01.2006

السَّلامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه !

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب بھائیوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، دُنیوی اور روحانی ترقی عطا فرمائے اور اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمائے۔ لیاقت علی صاحب بہت لگن اور پیار والے بھائی ہیں اور انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کی بڑی خدمت کی ہے اور کئی لوگوں کی اصلاح کر کے اللہ والا بنا دیا ہے۔ اس کی جزا انہیں اللہ تعالیٰ ہی عطاء فرمائے گا۔ اگرچہ آپ بھائیوں کو لیاقت علی صاحب کی کمی یقیناً محسوس ہوتی ہوگی یہ ایک فطری امر ہے۔ آپ لوگوں کے دلوں میں ان کا خصوصی پیار ہمیشہ قائم رہے گا۔ آپ ان کیلئے دُعائیں کرتے رہا کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہ ملازمت مبارک کرے۔ آمین۔ وہ ائیر فورس میں بھی کئی بھائیوں کی اصلاح کا سبب بنیں گے، اُن کی توجہ بڑی پُراثر ہے اور انہیں اس کام کا شوق بھی ہے۔ آپ کے حلقے میں بہت ہی پیارے پیارے بھائی ہیں آپ اسی طرح مل جُل کر محبت سے کام کریں گے تو اللہ کی رحمت سے حلقہ مزید ترقی کرے گا۔ نئے نئے دوستوں کو سلسلہ توحیدیہ کا تعارف کراتے رہنا اور محفلِ ذکر میں لانا یہ کام سب بھائیوں کو کرتے رہنا چاہیے۔ آگے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، وہی ہوگا۔

زکوٰۃ کیلئے مکان اور دُکان یا صنعتی مشینوں پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔ دُکان کے اندر جو مال برائے فروخت ہے اس کی مالیت + گھر یا بینک میں موجود نقد رقم + سونے / چاندی کے زیورات کی مالیت اگر 7½ تولہ سونا یعنی موجودہ ریٹ /---روپے سے زیادہ ہو تو اس پر اڑھائی فیصد یعنی ہزار پر 25 روپے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ زکوٰۃ کے مصارف میں پہلی ترجیح اپنے

بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کی ہوتی ہے، لیکن اپنے والدین اور اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں لگتی، ان کی خدمت زکوٰۃ کے علاوہ کریں۔ اسی طرح مسجد اور دینی اداروں کی تعمیر میں زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔ اس میں دیگر صدقات لگ سکتے ہیں۔

دین کی اشاعت کیلئے یعنی مدرسوں اور دینی کتابوں اور مجلّوں کی اشاعت کے کام میں بھی دی جاسکتی ہے۔ کچھ بھائی یہاں مرکز میں زکوٰۃ بھیجتے ہیں ان سے اپنے سلسلہ کے مستحق ، نادار بھائیوں کی مدد کر دی جاتی ہے۔ کچھ غریب بھائیوں کے بچوں کو تعلیمی وظیفہ دے دیتے ہیں۔ جن کے گھروں میں سلائی مشین یا پنکھا وغیرہ بنیادی ضروری اشیاء نہ ہوں تو ان کو خرید دیتے ہیں یا پھر اچانک بیماری وغیرہ کی صورت میں ہنگامی مدد بھی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں پڑوس میں جو کالونی ہے وہاں مستحق ناداروں، بیواؤں اور یتیم بچیوں کی مدد کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی زکوٰۃ کی رقم بھیجنا چاہیں تو ارسال کر دیں اور لکھ دیں کہ یہ زکوٰۃ کی مد میں ہے تاکہ اسی کھاتے میں لکھ دی جائے اور مناسب طریقہ سے خرچ ہو۔

عزیزم علی رضا صاحب! السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه!

آپ کا سلام اور حاضری قبول ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نمازوں، قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر کی مزید محبت عطا فرمائے اور آپ کے دِل میں پریم کی شمع روشن فرمائے۔ آمین!

آپ کے پاس عبدالرزاق جیسے پُرخلوص خادم حلقہ اور محمد عمر ساجد اور مبشر جیسے محبت کے مجسمے بھائی موجود ہیں۔ ان سے ملتے رہیں، ان سے پیار کریں ان کے ساتھ بیٹھ کر پاس انفاس کا ذکر کریں۔ انشاء اللہ دِل کے اطمینان اور سرور میں اضافہ ہوتا چلا جائیگا۔ سلسلہ توحیدیہ کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ بلکہ دوسرے بھائیوں کو بھی میرا پیغام دے دیں کہ سب بھائی سالانہ اجتماع سے پہلے ساری کتابوں کی دُہرائی مکمل کرلیں۔ خادم حلقہ سب کو تاکید کریں۔ والسلام

آغازحیات کادِن

(مولانا وحیدالدین خاں)

اسلامی شریعت میں رمضان کا مہینہ روزہ کا مہینہ ہے۔اوراس کے بعد یکم شوال کو عید کا دِن قرار دیا گیا ہے۔عید کے دِن مسلمان اسلامی حدود کے اندر خوشی مناتے ہیں۔اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دو رکعت نماز اجتماعی طور پر پڑھتے ہیں، آپس میں ملتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں۔ تاہم یہ سادہ معنوں میں صرف خوشی کا دِن نہیں ہے۔یہ اہل اسلام کی زندگی کیلئے نئے آغاز کا دِن ہے۔عید کا دِن گویا نئے عزم اور نئے شعور کے ساتھ زندگی کے آغاز کا دِن ہے۔عید کا دِن دوبارہ نئے حوصلوں کے ساتھ مستقبل کی طرف سفر شروع کرنے کا دِن ہے۔روزہ نے آدمی کے اندر جو اعلیٰ صفات پیدا کی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب وہ سماج کا زیادہ بہتر ممبر بن جاتا ہے۔ اب وہ اپنے لئے بھی پہلے سے بہتر انسان ہوتا ہے اور دوسروں کیلئے بھی پہلے سے بہتر انسان۔!!!

حدیث میں عید کو لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) کہا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا امتحان لیا۔جو لوگ اس نازک امتحان میں پورے اُترے، ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے امتحان کے مہینہ کے فوراً بعد انعام کا دِن رکھ دیا۔روزہ گویا مومن کیلئے دنیا کی پُرمشقت زندگی کی تمثیل ہے، اور عید مومن کیلئے آخرت کی راحت و مسرت کے دن کی تمثیل ہے۔

اہل ایمان کیلئے خوشی اور کامیابی کا دِن ابدی طور پر آخرت میں آئے گا۔مگر ابتدائی طور پر وہ اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے اور عید کا دِن اسی حقیقت کو بتانے کیلئے علامتی طور پر مقرر کیا گیا ہے۔

عید آغازِ حیات کا دِن ہے۔ روزہ کا مہینہ احتساب کا مہینہ ہے اور عید کا دِن اس کے بعد نئے حوصلوں کے ساتھ مستقبل کی طرف اپنا سفر شروع کرنے کا دِن!!!

روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے ایک محدود مدت کیلئے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ اپنی فطری ضروریات تک میں کمی کر دے۔ رمضان کا اعتکاف اسی کی انتہائی صورت ہے جب کہ بندہ ماسوا سے قطع تعلق کر کے اللہ کے گھر میں آ کر پڑ جاتا ہے۔ اس کا مطلب لوگوں کو رہبان بنانا نہیں ہے۔ یہ ''حساب کیے جانے سے پہلے اپنا حساب کرلو'' کا ایک وقتی لمحہ ہے تا کہ مستقل زندگی کیلئے لوگوں کو تیار کیا جائے۔

عید کا دِن اس وقتی لمحہ کا خاتمہ ہے جبکہ مسلمان نئے شعور اور نئی قوتِ عمل کے ساتھ از سرِ نو زندگی کے میدان میں داخل ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس، صبر اور تعلق باللہ کا جو سرمایہ اس نے روزہ کے ذریعہ پایا ہے، اس کو ساری زندگی میں پھیلانے کیلئے دوبارہ وہ دنیا کے ہنگاموں میں واپس آ جاتا ہے۔

روزہ میں صبر، عبادت، تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی کے مشاغل تھے، اب عید سے جدوجہد حیات کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ روزہ اگر انفرادی سطح پر زندگی کا تجربہ تھا تو عید اجتماعی سطح پر زندگی کا شروع ہونا ہے۔ روزہ اگر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے منور کرنے کا وقفہ تھا تو عید گویا دنیا میں اس روشنی کو پھیلانے کا اقدام ہے۔ روزہ اگر رات کی تنہائیوں کا عمل تھا تو عید، دن کے ہنگاموں کی طرف صحت مند پیش قدمی ہے۔

روزہ وقتی طور پر عالم مادّی سے کٹنا اور عید دوبارہ عالم مادّی میں لوٹ آنا ہے۔ روزہ جس طرح محض بھوک پیاس نہیں ہے۔ اسی طرح عید محض کھیل تماشے کا نام نہیں ہے۔ روزہ اللہ سے قربت حاصل کرنے کی کوشش ہے اور عید اس نئے بہتر سال کا آغاز ہے جو روزہ کے بعد روزہ داروں کیلئے مقدر کیا گیا ہے۔

آیئے! ہم عید سے اپنی نئی زندگی شروع کریں۔عید کے دن کو اپنی دینی وملی تعمیر کے آغاز کا دن بنائیں۔آج ہم نئی ایمانی قوت اور نئے عملی حوصلہ کے ساتھ زندگی کی جدوجہد میں داخل ہوں۔ہمارا سینہ اللہ کے نور سے روشن ہو۔ہماری مسجدیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد ہوں۔ہمارے گھر تقویٰ اور تواضع کے گھر بن جائیں۔اللہ تعالیٰ کیلئے ہم سب ایک ہوکر وہ جدوجہد شروع کریں جس کے نتیجہ میں ہمیں دنیا میں اللہ کی نصرت ملتی ہے اور آخرت میں اللہ کی جنت۔

روزہ کے بعد عید کا آنا روزہ داروں کیلئے خوشخبری ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہے کہ اگر ہم نے روزہ کی اسپرٹ کو زندگی میں استعمال کیا تو ہم دونوں جہان کی خوشیوں سے ہمکنار ہونگے۔

عید ایک خوش خبری ہے۔اس بات کی خوشخبری کہ ہم خوشی کو پاسکتے ہیں۔ہم خوشی کی طرف بڑھ رہے ہیں،ہم خوشی کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔مگر منزل تک پہنچنے کیلئے ابھی ہم کو ایک جست لگانا ہے۔روزہ نے صبر اور تعلق باللہ کی جو طاقت دی ہے اس کو بھرپور استعمال کیجئے اور اس کے بعد آپ کامیابی کی آخری منزل پر ہوں گے۔

عید کا دن مسلمانوں کی خوشی کا دن ہے۔مگر جب خوشی کے حالات نہ ہوں تو عید کا دن عہد کا دن ہوتا ہے۔

آیئے! ہم سب مل کر عہد کریں کہ ہم سچے مسلمان بنیں گے۔ہم مستقبل کی تعمیر کیلئے جدوجہد کریں گے۔یہاں تک کہ ہم اپنے عید کے دن کو خوشی کا دن بناسکیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خدمت خلق

(حاجی محمد حنیف طیّب)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات عکس مصطفیٰ نظر آتی ہے، آپ ﷺ نے بھی خدمت خلق جیسے عظیم مشن کو مقدم رکھا یہی وجہ ہے کہ خدمت خلق کے معاملہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے اور کوشش کرتے کہ دوسروں پر سبقت لے جائیں۔

یہ آپ ہی کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں ایک بوڑھی عورت رہا کرتی تھی، آنکھوں سے نابینا تھی اور بڑھیا کی خدمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ کوئی رشتہ دار، عزیز و اقارب نہ تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ ہر روز رات کے وقت اس بڑھیا کے گھر تشریف لاتے اور اس کے گھر کا تمام کام اپنے ہاتھوں سے کرنے کے بعد پانی بھی رکھ کر جاتے، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے معمول کے مطابق رات کے وقت اس بڑھیا کے گھر تشریف لے گئے کیا دیکھتے ہیں کہ اس بڑھیا کے گھر کا سارا کام ان سے پہلے ہی کوئی اور کر کے چلا گیا۔ آپ واپس آ گئے اور دوسرے دن معمول کے مطابق رات کو تشریف لے گئے دیکھا تو پھر پہلے کی طرح کوئی گھر کا کام کر کے چلا گیا۔ اس طرح حضرت عمر فاروقؓ چند دن تک مزید آتے رہے اور یہ دیکھ کر حیران ہو جاتے کہ اس بڑھیا کا کام کوئی اور کر کے چلا گیا، آخر ان کو جستجو ہوئی کہ کون ہے جو مجھ سے سبقت لے جاتا ہے مجھ سے پہلے ہی بڑھیا کے پاس آ جاتا ہے اور اس کے کام کر کے چلا جاتا ہے۔ انہوں نے اس معمہ کو حل کرنے کا ارادہ کر لیا اور اگلے دن بہت جلدی آ کر انتظار کیا کہ دیکھیں کون آتا ہے اور بڑھیا کی خدمت کر کے جاتا ہے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھا خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ چپکے سے تشریف لائے اور اس بڑھیا کے گھر کا کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ بہت حیران ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء، کنز العمال)

دودھ دھونا: آپ ؓ گھر کے کام اپنے ہاتھوں سے کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے اکثر بھیڑ بکریاں خود ہی چرا لیتے تھے محلّہ میں اگر کسی کا کوئی کام ہوتا تو وہ بھی کر دیا کرتے تھے۔بعض اوقات محلّہ داروں کی بکریاں بھی دوھ دیا کرتے۔منصب خلافت پر فائز کئے گئے تو محلّہ میں ایک لڑکی کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تو اب منتخب ہو گئے ہیں۔لہٰذا اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟ حضرت ابو بکر صدیق نے یہ بات سنی تو یہ فرمایا: اللہ کی قسم! میں بکریاں دوہوں گا۔'' (طبقات ابن سعد)

والد کا مشورہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مکہ مکرمہ میں دستور تھا کہ آپ بوڑھے مردوں اور بوڑھی عورتوں کو جب وہ اسلام قبول کر لیتے تو ان کو خرید کر آزاد فرما دیتے تھے،ایک دن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد محترم نے کہا،اے بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بوڑھے لوگوں کو خرید کر غلامی سے آزاد کر رہے ہو اگر تم بوڑھوں کے بجائے قوی اور جوان لوگوں کو خرید کر آزاد کرو تو وہ تمہارا ساتھ دیں گے،تم کو نقصان سے محفوظ رکھیں گے اور تمہاری مدافعت کریں گے۔یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا،اے والد محترم میرا مقصد اس سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔(سیرت ابن ھشام)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عامر بن فہیرہؓ کو بھی آزاد کرایا۔جو ایک مشرک کے غلام تھے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں وہ مشرک ان پر ظلم وستم کیا کرتا تھا۔حضرت عامر بن فہیرہؓ ہجرت مدینہ کے سفر اور اسلام میں آپ ؐ کے ہمراہ تھے،غزوہ بدر اور غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمائی۔

آپؓ نے نہدیہ اور ان کی بیٹی کو بھی کفار سے نجات دلائی ، یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی ملک میں تھیں۔ملکہ نے نہدیہ اور ان کی بیٹی کو آٹا پیسنے کے لیے دیا اور قسم کھاتے ہوئے کہا ''ربّ کعبہ کی قسم! میں تمہیں کبھی آزاد نہ کروں گی حضرت ابو بکر صدیقؓ وہاں سے گزر رہے تھے،فرمانے لگے،اے فلاں شخص کی ماں! اپنی قسم توڑ دے کفارہ ادا کر دے، اس عورت نے کہا تم ہی نے تو ان کو بگاڑا ہے۔تم ہی ان کو آزاد کراؤ۔حضرت ابو بکر صدیقؓ نے

فرمایا تو ان کو کتنے میں دے گی؟ اس نے رقم بتائی تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے انہیں خرید لیا ہے اور اب وہ آزاد ہیں۔ (حضرت ابن ہشام) اس کے علاوہ بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بہت سے مظلوم مسلمانوں کی اعانت فرمائی جن میں عمیسؓ حضرت زنیرہؓ اور بنی موئل کی ایک لونڈی شامل ہیں۔

حضرت بلالؓ کی اعانت : حضرت بلالؓ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد امیہ بن خلف اور اس کے چیلے ایک مدت تک حضرت بلالؓ پر تشدد کرتے رہے، ظلم و تشدد کا یہ سلسلہ کسی دن بھی نہ ٹوٹتا تھا۔ ہر روز تشدد و اذیت کا عمل دہرایا جاتا تھا، حضرت بلالؓ کو دین حق سے باز رکھنے کی خاطر اذیت کا ہر حربہ استعمال کیا جاتا تھا، حضرت بلالؓ پر ہونے والے ظلم و تشدد کی مکمل خبر حضور نبی کریم ﷺ کو تھی اور آپ ﷺ اس بارے میں سخت بے چین تھے، حضرت ابو بکرؓ ہر روز حضرت بلالؓ پر ہونے والے مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور بہت بے تاب ہوتے، حضرت بلالؓ کو امیہ بن خلف کے ظلم سے بچانے کے لیے کافی سوچ بچار کی، ایک دن جب کہ امیہ بن خلف نے ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مزید برداشت نہ ہو سکا اور امیہ کے پاس جا پہنچے اور اس سے فرمایا، اے امیہ! اس بے چارے غلام پر اس قدر ظلم نہ کرو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے اگر تو اس پر مہربانی کرے گا تو یہ مہربانی قیامت کے دن تیرے کام آئے گی۔ امیہ بن خلف انتہائی حقارت آمیز انداز میں بولا، میں تمہارے قیامت کے دن کو نہیں مانتا، میرے دل میں جو آئے گا میں کروں گا۔ غلام میرا ہے میں جو مرضی اس کے ساتھ سلوک کروں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے امیہ کو پھر نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تم قوت والے ہو یہ غلام تو بے بس ہے اس پر اس قدر ظلم و تشدد کرنا تمہاری شان کے خلاف ہے تم ایسا کر کے عربوں کی قومی روایات کو داغ دار نہ کرو۔ غرضیکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اسی طرح امیہ بن خلف کے ساتھ بحث کرتے رہے، آخر کار امیہ بن خلف اس بحث سے تنگ آ کر بولا اے قحافہ کے بیٹے! اگر اس غلام کے تم اتنے ہی خیر خواہ ہو تو مجھ سے اسے خرید کیوں نہیں لیتے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے موقع

غنیمت جانا فوراً ارشاد فرمایا، کیا قیمت لو گے؟ امیہ بن خلف بڑا چالاک تھا اس نے خیال کیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس ایک ایسا غلام ہے جس کی قیمت اہل مکہ کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ فسطاس نامی یہ غلام بڑے کام کا ہے، اور بلالؓ کے بدلے میں ابو بکر صدیقؓ کبھی بھی فسطاس کو دینے میں رضامند نہیں ہوں گے اس طرح اس بحث مباحثہ سے خلاصی ہو جائے گی۔ چنانچہ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے جھٹ سے بولا، تم اپنا رومی غلام فسطاس دے دو اور بلالؓ کو لے جاؤ، ادھر امیہ بن خلف کے منہ سے یہ بات نکلی ادھر فوراً ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس سودے کو منظور فرمالیا اور حضرت بلالؓ کے بدلے میں اپنا غلام فسطاس دینے پر تیار ہو گئے، امیہ نے جب یہ دیکھا کہ بات اتنی جلدی بن گئی ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اب اس نے پینترا بدلا اور کہنے لگا کہ میں فسطاس بھی لوں گا اور اس کے بعد چالیس اوقیہ چاندی بھی لوں گا۔ امیہ کا خیال تھا کہ اس مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نہیں مانیں گے، مگر وہ یہ سن کر حیران رہ گیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اس بات پر کیسے رضامند ہو گئے اس طرح سودا طے ہو گیا۔ امیہ اس زعم میں مبتلا تھا کہ اس نے بڑے ہی نفع کا سودا کیا ہے۔ حضرت بلالؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سپرد کر کے چالیس اوقیہ چاندی اور فسطاس غلام لے لیا، اس سودے پر امیہ خوش تھا، گھمنڈ میں آ کر ہنسا اور بولا اے قحافہ کے بیٹے! اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس غلام کو ایک درہم کے چھٹے حصے کے بدلے میں بھی کبھی نہ خریدتا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اس کی طرف دیکھا اور فرمایا، اے امیہ! تو اس غلام کی قدر و قیمت کو نہیں جانتا اس کی قدر مجھ سے پوچھو، یمن کی بادشاہی بھی اس کے عوض میں کم ہے۔ یہ فرما کر حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت بلالؓ کو لے کر چل پڑے۔ حضور نبی کریم ﷺ بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا، ابو بکر مجھے بھی اس نیک کام میں شریک کر لو۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! گواہ رہئے کہ میں نے بلالؓ کو آزاد کرا لیا ہے۔ اس پر حضور رؤف الرحیم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں دعا فرمائی۔

اسلام اور روحانیت

(ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مترجم: سیّد خالد جاوید مشہدی)

اسلام نے انسانوں کیلئے جو ضابطۂ حیات تجویز کیا ہے، وہ مادّی اور روحانی دونوں پہلوؤں کو محیط ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ایک کی اُفتادِ طبع الگ الگ ہونے کے باعث بعض لوگ کسی خاص شعبے میں بہت نمایاں ہوتے ہیں جبکہ دوسرے میں نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے روحانی پہلو کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے تو وہ کسی نہ کسی حد تک اپنی بقاء اور معاشرے کیلئے جس کا وہ ایک رکن ہے، زندگی کی دوسری ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اُٹھا رہا ہوتا ہے۔

اللہ پر ایمان اور اسکی اطاعت اور اطاعت کے بہترین اسلوب کی رسول اللہ ﷺ نے اپنے مشہور فرمان میں اس طرح تعریف فرمائی ہے:

''اللہ تعالیٰ کی عبادت کا بہترین اسلوب یہ ہے کہ اسے اس انداز میں کرو کہ جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو، (بہر حال) اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔''

اللہ کی اطاعت اور تسلیم و رضا کا یہ خوبصورت انداز اسلام کی روحانی ثقافت ہے۔ ''اللہ کی عبادت'' ایک جامع اصطلاح ہے اور اس میں نہ صرف عقیدے یعنی مذہب کے معاملات شامل ہیں بلکہ اس کا تعلق زندگی بھر کے انسانی رویّہ سے بھی ہے۔ اور روحانی حوالے سے وہ لوگ سب سے زیادہ مہذب اور سلجھے ہوئے شمار ہوتے ہیں جو اپنے تمام افعال و اعمال میں اللہ کی رضا کو ہی مطلوب و مقصود بناتے ہیں۔

معرفت (تصوّف) کے حوالے سے اس ضابطے کے بارے میں کچھ سوالات جنم لیتے ہیں۔ معرفت کی اصطلاح کے اسلام میں کئی مترادف ہیں۔ احسان، قرب (اللہ سے قربت)،

طریقت (راستہ اللہ کی جانب سفر) ،سلوک (اللہ تعالیٰ کی طرف سفر)،تصوف (جس کے لفظی معنی ہیں اونی کپڑے پہننا) اوراس حوالے سے تصوف کی اصطلاح ہی عموماً استعمال ہوتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان صوفی اور دوسری تہذیبوں میں ان کے ہم مسلک اپنی معمول سے مختلف مخصوص روایات اور اپنا طریقہ عبادت ان لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے سے گریزاں ہوتے ہیں جو ان کے حلقہ ارادت سے باہر ہوں۔ یہ اس لئے نہیں کہ ان کی زندگی میں کوئی خفیہ سکینڈل ہیں بلکہ اس لئے کہ عام آدمی شاید اس بات کو سمجھ نہ سکے کہ وہ کیوں خوامخواہ زندگی کی آسائشوں سے اپنے آپ کو محروم رکھے ہوئے ہیں اوراس وجہ سے بھی کہ عموماً لوگ صوفیاء کے ذاتی مشاہدات پر یقین نہیں کرتے۔ اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں سے معاملات کو پوشیدہ رکھیں جو انہیں سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز اسرار کے پردے میں چھپی ہو تو یہ ان لوگوں کیلئے زیادہ باعثِ کشش بن جاتی ہے جو اسے نظر انداز کرتے ہیں مگر دراصل وہ اس کی تلاش میں ہوتے ہیں۔

بنی نوع انسان میں ہمیشہ سے مختلف مزاجوں کے افراد موجود رہے ہیں۔ مگر یہ اسلام کا ہی اعجاز ہے کہ اس نے ایسی کچھ چیزیں دریافت کر لی ہیں جو اس نے ہر فرد پر مزاجوں کے اختلاف کے باوجود فرض کر دی ہیں حالانکہ کسی بھی معاملہ میں شرکت کیلئے ہم خیال یا ہم مزاج ہونا کم ازکم تقاضہ ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے ایک حوالہ قابل ذکر ہے اس بات پر سب متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ساتھی بہترین مسلمان تھے۔ یعنی آپ ﷺ کے صحابہ کرام اوران کی زندگیوں کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ ان میں مختلف رجحانات، مزاج اور صلاحتیں رکھنے والے لوگ شامل تھے۔

میدانِ جنگ میں شجاعت دکھانے والے خالد بن ولیدؓ ہوں یا مرفع الحال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انہوں نے کبھی اسلام کے ضروری فرائض اوراس کی روحانی اقدار سے اغماض نہیں برتا۔ اسی طرح ابوذرؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، ابودرداءؓ اور دوسرے جو زاہدانہ زندگی کا

رجحان رکھتے تھے،انہوں نے رسول اللہﷺ سے متاہلانہ زندگی گزارنے، مسلسل روزے رکھنے اور جسمانی خواہشات سے ماوراء رہنے کی بطورِ خاص اجازت نہیں لی تھی۔اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ تو انہیں شادی کرنے کے بارے میں کہا کرتے تھے۔آپﷺ نے فرمایا: ’’تم پراپنے بدن کےحوالے سے بھی ذمہ داری ہے۔‘‘ (ابن حنبل)

اسلام کے مطابق کوئی بھی انسان خوداپنا مالک نہیں بلکہ سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہےاور ہماری شخصیت یاوجود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے امانت ہمارے سپرد کی ہےاس میں خیانت جائز نہیں۔

اصحابِ صُفہؓ:

مسجد نبویﷺ میں رسول اللہﷺ کے دورِمبارک میں،اس ہال سے جہاں نماز ادا کی جاتی تھی،ذراہٹ کرایک جگہ تھی جسے صفہ کہتے ہیں،اس جگہ رسول اللہﷺ کی نگرانی میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تعلیم وتربیت حاصل کرتی تھی۔اسلامی طرزِ زندگی کی تربیت کے علاوہ بندے کےاللہ سے تعلقات اورانسانوں کے معاشرے کے دوسرے افراد سے باہمی روّیے اور برتاؤ کےحوالے سے تعلیم اس کا حصہ تھی۔ایسا نہیں تھا کہ یہ لوگ ہمہ وقت یہاں موجود رہتے تھے بلکہ وہ اپنے روزمرہ کے معمولات بھی نمٹاتے اوراپنے لئے روزی بھی کماتے، تاکہ دوسروں کے دستِ نگراوران پر بوجھ نہ بنیں۔جبکہ رات کونوافل ادا کرتے اوراللہ سے لولگائے رکھتے۔

اس ادارے کو’’تکیہ‘‘ کا نام دیں یا’’خانقاہ‘‘ کایاپھرکوئی اورنام!مگراس میں کوئی شک نہیں کہ اصحاب صفہؓ مادّی مشاغل کی نسبت روحانی معاملات کی طرف زیادہ راغب تھے۔شاید ان معمولات یاامور کی تفصیل تو معلوم نہ ہوسکے جورسول اللہﷺ کی ہدایت پراسلام کے یہ پہلے صوف اختیار کئے ہوئے تھے۔جو یقیناًان کےمزاج اورصلاحیتوں کےمطابق ہوتے ہوں گے۔

یہاں ایک حدیث نبویﷺ کا حوالہ برمحل ہوگا۔آپﷺ نے فرمایا: ’’دانائی مومن کی گمشدہ میراث ہے۔جہاں سے بھی ملے،اس کوحاصل کرو۔‘‘ (ترمذی،ابن ماجہ)

تصوّف کا نچوڑ:

تصوف کے واسطے سے اسلام کا منشاء یہ ہے کہ اسوۂ رسول ﷺ کو زندگی کے تمام معمولات میں سرچشمہ ہدایت اور تقلید بناتے ہوئے عقائد کی درستی، ذاتی کردار اور روّیہ کی اصلاح اور اسلام کے عائد کردہ فرائض کی بجا آوری کو یقینی بنایا جائے اور اپنے آپ کو کہاں تک اسلام کی راہ میں وقف کیا جا سکتا ہے، اس میں بھی اسوۂ حسنہ کو ہی حوالہ بنایا جائے۔

تصوف کا پوشیدہ اشیاء کے بارے میں جاننے، شعبدے بازی یا پراسرار نفسیاتی ذرائع سے دوسروں کو اپنی قوت ارادی سے مغلوب کرنے کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ترکِ دنیا، نفس کشی، گوشہ نشینی اور اپنے آپ کو دیگر معاملات سے قطعی الگ تھلگ کر کے اپنی میں گم رہنے کو اس میں سند حاصل ہے۔ کوئی بہتر اصطلاح نہ ہونے کی وجہ سے Mysticism (باطنیت، عرفان، تصوّف) کا لفظ ہی استعمال کرنا پڑے گا۔ اسلام میں اس سے مراد یہ ہے کہ بہترین انفرادی روّیہ کے وہ طریقے جن کی مدد سے انسان اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے، اخلاص تمام خیالات اور افعال میں اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقت موجودگی (حضوری) کا ادراک، اللہ کی زیادہ سے زیادہ محبت کی جستجو۔

اسلامی تعلیمات میں کچھ ''ظاہری'' فرائض ہیں مثلاً نماز، روزہ، صدقات و خیرات برائی سے اجتناب وغیرہ جبکہ کچھ باطنی فرائض بھی ہیں مثلاً ایمان، اللہ کے حضور اظہار تشکر، خلوص نیت اور انانیت سے نجات، تصوف زندگی کے اس دوسرے پہلو (باطن) کی تربیت ہے۔ تاہم ظاہری فرائض بھی روح کی صفائی کیلئے ناگزیر ہیں جو ابدی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ صوفی کی روحانی ریاضتوں کے ذریعے اس کی بعض قوتوں اور صلاحیتوں کو بڑھاوا مل جاتا ہے۔ خاص ریاضتوں کے نتیجے میں کچھ لوگوں کیلئے نادیدہ اشیاء تک رسائی ممکن بھی ہو جائے تو صوفی کے لئے یہ بات ناپسندیدگی کا ہی درجہ رکھتی ہے۔ صوفی کا مطلوب و مقصود ہر حال میں روح کی صفائی ہی رہتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید قرب حاصل کر سکے۔ مردِ کامل تو وہ ہے جو نہ صرف اپنا ظاہر بلکہ باطن بھی اُجلا بنا لے۔

رضائے الٰہی:

ہماری خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرے، مگر یکطرفہ گاڑی چلاتے ہوئے کہ خود اللہ سے محبت کئے بغیر اپنی خواہش کی تکمیل چاہتے ہیں اور یہ بھی کہ اس کی اطاعت کئے بغیر اس کی رحمت کے اُمیدوار بن جاتے ہیں۔قرآن ہمیں باور کراتا ہے:

''اہلِ ایمان تو اللہ کی محبت میں شدید ہوتے ہیں۔'' (165:2)

ایک دوسری جگہ بہترین انسانوں کی صفت بیان کی گئی ہے:

''اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی۔'' (54:5)

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی کیفیت کا موازنہ مادّی عیش وآرام کی زندگی سے نہیں کیا جاسکتا جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کی شکرگزاری کی آزمائش کیلئے اسے عطاء کردیتا ہے جبکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کی استقامت اور صبر کو آزمانے کیلئے اسے دنیا کی نعمتوں سے محروم رکھا جاتا ہے۔دونوں صورتوں میں انسان کو اللہ کی اطاعت اور محبت کا ثبوت دینا چاہیے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک طرف اللہ کی رضا کیلئے اپنی ذات کی نفی کی کیفیت پیدا کریں اور دوسری طرف ہر وقت یہ احساس اس پر غالب رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

روحانی سفر کے کئی مرحلے اور درجے ہوتے ہیں اور اس سفر پر چلنے والا درجہ بدرجہ ہی آگے بڑھتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آغاز غارِ حرا کی خلوت نشینی سے کیا اور پھر نبوت کے بعد آپ ﷺ کے مکہ کے دورِ ابتلاء کا مرحلہ آتا ہے جہاں آپ ﷺ نے اپنی ذات کی نفی کرکے اللہ کیلئے مصائب اور مشکلات کے اس مرحلے کو صبر اور استقامت سے گزارا۔یہ عین ممکن ہے کہ بظاہر درویش نظر آنے والا، بھیڑ کے بھیس میں دراصل بھیڑیا ہو، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بادشاہ جس کے ہاتھ میں تمام تر طاقت اور وسائل ہوں مگر وہ درویش بنا رہے اور تمام تر ذرائع وسائل ہوتے ہوئے بھی انہیں استعمال کرنے

کی بجائے اپنی جسمانی راحتیں چھوڑ کر عظیم ذاتی قربانی کا مظاہرہ کرے اور اس طرح اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو۔

صوفیائے کرام چار معمولات کو ضروری قرار دیتے ہیں۔1- کم کھانا 2- کم سونا 3- کم بولنا 4- لوگوں سے کم ملنا جلنا۔ "کم" کا مطلب مکمل گریز نہیں ہے۔ ہمیشہ اعتدال کی راہ ہی اپنائی جانی چاہیے۔ معمول یہ ہونا چاہیے کہ زندہ رہنے کیلئے کھاؤ یہ نہیں کہ کھانے کیلئے زندہ رہو اس لئے کھانا کہ اللہ کی رضا کے حصول اور اس کے احکام پر عمل کیلئے جسم میں توانائی آجائے۔ جبکہ کم کھا کر اپنے آپ کو اس حد تک کمزور کر لینا کہ روحانی بالیدگی متاثر ہونے لگے تو یہ گناہ ہے۔ نیند صحت کیلئے ضروری ہے تاکہ انسان اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔ کم سونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور روحانی ریاضتوں کو زیادہ وقت دے کر تقویٰ اور پرہیز گاری کی راہ اپنائی جائے۔ کم بولنے سے مراد یہ ہے کہ بیہودہ سرائی اور یاوہ گوئی سے پرہیز کیا جائے، جہاں تک ممکن ہو بری باتوں سے اجتناب کیا جائے۔ دوسروں کی اصلاح کیلئے ایسی گفتگو قابل قبول ہے جس میں اللہ کی خوشنودی ہی مطلوب ومقصود ہو۔ لوگوں سے کم ملنے جلنے کا منشاء یہ ہے کہ بلا ضرورت لوگوں سے گپ شپ اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے وقت ضائع نہ کیا جائے۔ دنیاوی مقصد کیلئے دوسرے لوگوں سے کی جانے والی میل ملاقاتیں مختلف تراغیب پیدا کرتی، قیمتی وقت ضائع کرتی اور دوسرے اہم فرائض کو ذہن سے فراموش کر دیتی ہیں۔ ان پانچ مشوروں کو اسلامی معیشت کے پانچ اصول کہا جا سکتا ہے اور اس میں روحانی اور دنیاوی دونوں ہی معاملات شامل ہیں۔

خصوصی عبادات یا اذکار:

اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت کرنا چاہیے اور دل میں ذکر کرنا اس کا اہم جزو ہے، مگر اس سے وہ ذہنی ارتکاز یا قلبی توجہ نہیں حاصل ہو پاتی جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاضر و ناظر تصور کر کے اسے تمام تر توجہ کا مرکز بنانے کیلئے جسمانی مشقیں کر کے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔" اور صبح شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔

کچھ اذکار بار بار دہرائے جاتے ہیں اور کچھ دُعائیں ایسی ہیں جو ہر روز عادتاً کی جاتی ہیں۔ یہ کبھی بلند آواز میں اور کبھی زیرِ لب کی جاتی ہیں ان میں ایک تسلسل بھی ہے اور تکرار بھی اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہیں اور مخاطب صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

خیالات کی یکسوئی یا ذہن کے ارتکاز کیلئے صوفی بعض اوقات تنہائی میں مراقبے کے دوران چند لمحوں کیلئے سانس کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو ذہن میں لا کر دل کی دھڑکن کو توجہ کا مرکز بنا لیتے ہیں۔

انسان کی تخلیق جسم اور روح دونوں سے ہوئی ہے، اس کا ایک ظاہری وجود ہے اور ایک باطنی، اس لئے تکمیل کی جانب یکساں پیشرفت اور متوازن ارتقاء کا تقاضا ہے کہ انسان کے ان دونوں پہلوؤں کی طرف توجہ دی جائے۔ تصوف یا اسلام کی روحانی ثقافت انا (ذات) کے بتدریج خاتمے (نفی) اور اللہ تعالیٰ کی موجودگی (حضوری) کے ہر لحظہ بڑھتے ہوئے احساس سے عبارت ہے۔ اللہ کی رضا میں اپنے آپ کو گم کر دینے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اپنے معمولات کو جمود کا شکار کر لیا جائے۔ قرآن میں انسان کو عمل کی تلقین کی گئی ہے بلکہ اللہ کی رضا کا حصول بھی اچھے اعمال سے ہی ممکن ہے۔ یہ جو کہا گیا کہ اپنی شیطانی خواہشات کی تکمیل کی بجائے صرف اللہ کی رضا کے لئے چلو تو یہ بات بے عملی کی طرف نہیں لے کر جاتی۔ "باعمل تقدیر" کا یہ اصول جو انسان کو عمل پر اُبھارتا اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا سبق دیتا ہے۔

تھوڑی دیر کا ساتھی

(مُفتی محمد تقی عثمانی)

زندگی میں انسان کو قدم قدم پر دوسروں سے واسطہ پیش آتا ہے، بعض تعلقات دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں، جیسے رشتہ دار، بعض دائمی نہ سہی لیکن لمبی مدت کیلئے ہوتے ہیں جیسے پڑوسی اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ صرف چند گھنٹوں یا اس سے بھی کم مدت کیلئے کسی کا ساتھ ہوجاتا ہے، جیسے ہم سفر جو کسی بس، ریل، یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ہوجاتے ہیں۔

قرآن کریم نے نہایت باریک بینی سے ان تینوں قسم کے تعلقات کے کچھ حقوق رکھے ہیں، اور ان حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی ہے، پہلی دو قسموں یعنی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کو لوگ پھر بھی کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بدسلوکی کے نتیجے میں انسان بدنام ہوجاتا ہے، اور چونکہ یہ تعلقات دیرپا قسم کے ہیں اس لئے یہ بدنامی بھی دیرپا ہوجاتی ہے، لیکن تیسری قسم یعنی وہ لوگ جو مختصر وقفے کیلئے ساتھ ہوگئے ہوں بہت کم انسان ان کے حقوق کا خیال رکھنے پر آمادہ ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ عموماً اجنبی ہوتے ہیں، اور تھوڑی دیر کے بعد جب جدا ہوتے ہیں تو بعض اوقات تمام عمر اُن سے کوئی واسطہ پیش نہیں آتا، اس لئے ان کے ساتھ اگر کوئی بد اخلاقی یا بدسلوکی ہوجائے تو اس کی وجہ سے کسی دیرپا بدنامی کا اندیشہ نہیں ہوتا، لوگ عموماً یہ سوچتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے اس شخص پر میرے بارے میں کوئی غلط تأثر قائم ہوبھی گیا تو کیا ہوا !! بعد میں تو کبھی اس سے ملنا نہیں ہے، اس لئے اس کے تاثر سے میری زندگی پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔ چنانچہ بسوں، ریلوں، دوسری عوامی سواریوں اب تو

ہوائی جہازوں میں بھی جو دھکم پیل اور نفسی نفسی کا جو عالم نظر آتا ہے کہ ہر شخص دوسرے کو کہنی مار کر آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا ہے، وہ درحقیقت اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔

اسی لئے قرآن کریم نے جہاں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ترغیب دی، وہاں تھوڑی دیر کے ساتھیوں کے حقوق ادا کرنے کا بطور خاص ذکر فرمایا، تھوڑی دیر کے ساتھی کیلئے قران پاک نے (الصاحب بالجنب) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (سورۂ نساء آیت:۳۶) اس کا اردو ترجمہ: "**ہم پہلو**" کے لفظ سے کیا جا سکتا ہے، اور اس سے مراد وہ شخص جو مختصر مدت کیلئے کسی کے ساتھ ہو گیا ہو، خواہ کسی سفر میں، یا کسی عمومی مجلس میں، بس یا ریل میں سفر کرتے ہوئے جو شخص ہمارے قریب بیٹھا ہے، وہ ہمارا (**صاحب بالجنب**) ہے، کسی دعوت جلسے یا اجتماع عام میں جو شخص ہمارے پہلو میں ہے وہ ہمارا "**صاحب بالجنب**" ہے اور قرآن کریم نے خاص طور پر اس کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید اس لئے فرمائی ہے کہ انسان کی شرافت اور خوش اخلاقی کا اصل امتحان ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بظاہر مہذب اور شائستہ لوگوں کو دیکھا کہ اپنے روزمرہ کے حالات میں وہ بظاہر بڑے خوش اخلاق نظر آتے ہیں، لیکن جب کبھی سفر کی نوبت آئی تو ان کی ساری تہذیب اور خوش اخلاقی دھری کی دھری رہ گئی اور انہوں نے اپنے ہم سفروں کے ساتھ پرلے درجے کی خودغرضی اور سنگدلی کا برتاؤ شروع کر دیا۔

اسی لئے حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ کسی شخص کی نیکی کی حتمی گواہی اس وقت دو جب یا تو تمہارا اس سے روپے پیسے کا کوئی لین دین ہو چکا ہو، جس میں تم نے اسے کھرا پایا ہو یا اس کے ساتھ تم نے کوئی سفر کیا ہو، اور اس سفر میں تم نے اسے واقعی خوش اخلاق دیکھا ہو۔

بات دراصل یہ ہے کہ خوش اخلاقی کا جو برتاؤ صرف بدنامی کے خوف سے کیا جائے، وہ خوش اخلاقی ہی کہاں ہے؟ وہ تو ایک دکھاوا ہے، چنانچہ جب بدنامی کا خوف ٹلے گا، انسان کی بداخلاق اصلیت ظاہر ہو جائے گی، خوش اخلاقی تو ایک اندرونی صفت کا نام ہے جو نیک نامی اور

بدنامی سے بے نیاز ہوکر کوئی اچھا عمل اس لئے کرتی ہے کہ وہ اچھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے، جب یہ صفت کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو اس کا رویہ ہر جگہ اس صفت کے مطابق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس جگہ بھی جہاں اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو، وہ اپنی پاکیزہ فطرت کے تحت وہی طرزِ عمل اختیار کرتا ہے جو اسے کرنا چاہیے اور یہ حقیقت اس کے سامنے رہتی ہے کہ کوئی اور دیکھے یا نہ دیکھے، وہ ضرور دیکھ رہا ہے جس کے دیکھنے پر جنت اور جہنم کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اسلام نے" صاحب بالجنب "یعنی تھوڑی دیر کے ساتھی کے حقوق کی جس باریک بینی سے دیکھ بھال کی ہے، اس کا اندازہ چند مثالوں سے لگایئے:

۱) جمعہ کے دن جب مسجد میں لوگ خطبے اور نماز کیلئے جمع ہوں تو نئے آنے والوں کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ اجتماع کے آخری حصے میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائیں لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کو سختی سے منع فرمایا گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس عمل پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

۲) جمعہ کے دن نہا دھو کر اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اس بڑے اجتماع میں ہر شخص دوسرے کیلئے تکلیف کے بجائے فرحت اور راحت کا سبب بنے۔

۳) فقہاء کرام نے کہا ہے کہ جو شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے کسی پاس والے کو تکلیف ہو سکتی ہو، یا گھن آ سکتی ہو، اس کے لئے جماعت کی نماز معاف ہے اور اسے اپنے گھر ہی میں نماز پڑھنے پر انشاء اللہ مسجد کی جماعت کا ثواب ملے گا۔

۴) جب چند افراد ساتھ بیٹھ کر کوئی چیز کھا رہے ہوں تو حکم یہ ہے کہ دوسروں کا خیال رکھ کر کھاؤ، حدیث میں ہے کہ جب دوسرے لوگ ایک ایک کھجور لے کر کھا رہے ہوں تو تم دو دو کھجوریں مت لو، اس میں یہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ صرف اپنی اپنی فکر کرنا اور جو ہاتھ لگے لے اُڑنا ایک مومن کا شیوہ نہیں، یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کچھ اور لوگ بھی تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہیں، تمہارا حصہ پوری طرح ناپ تول کر نہ سہی، لیکن دوسروں کے ساتھ کسی توازن ہی میں ہونا چاہیے،

(آجکل بوفے قسم کی دعوتوں میں جو چھینا جھپٹی نظر آتی ہے، اور بعض لوگ یکبارگی ضرورت سے زیادہ چیزیں اپنے برتن میں انڈیل لیتے ہیں وہ ان احکام کی صریح خلاف ورزی ہے)۔

یہ چند مثالیں صرف یہ بتانے کیلئے دی ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں "**صاحب بالجنب**" یا تھوڑی دیر کے ساتھی کی کتنی اہمیت ہے، اس اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے معاشرے کے جزوی مسائل پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ جہاں بہت سے لوگوں کو باری باری کوئی کام انجام دینا ہو، وہاں فطری طریقہ یہی ہے کہ آنے والوں کی ترتیب سے ایک قطار بنالی جائے، اور ہر شخص نمبر وار اپنا کام انجام دیتا رہے، اس طرح سب کا فائدہ ہے اور سب کا کام آسانی سے ہوجاتا ہے، ایسے موقع پر (کسی معقول عذر کے بغیر) لائن توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنا یا اس کے لئے دھینگا مشتی کرنا دوسروں کی شدید حق تلفی ہے، جو بداخلاقی اور ناشائستگی ہونے کے علاوہ گناہ بھی ہے۔

افسوس! آج غیر مسلم قومیں اس بات کا لحاظ رکھتی ہیں، بلکہ ان کا مزاج ہی یہ بن چکا ہے کہ جہاں دو آدمی جمع ہونگے فوراً آگے پیچھے ہوکر قطار بنالیں گے، لیکن ہم جو **صاحب بالجنب** کے بارے میں قرآن وسنت کی مذکورہ ہدایات کی روشنی رکھتے ہیں لائن توڑ کر آگے بڑھنے کو بہادری سمجھتے ہیں، اور یہ خیال تو شاید ہی کسی کو آتا ہو کہ میں کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں۔

بس یا ریل میں ہر شخص نشست کا اتنا حصہ استعمال کرنے کا حق دار ہے جتنا ایک مسافر کیلئے گاڑی والوں کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اس میں ہمارے یہاں دو طرح کی شدید بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔ پہلی بے اعتدالی تو یہ ہے کہ جن گاڑیوں میں بکنگ نہیں ہوتی، ان میں جو شخص پہلے پہنچ گیا، وہ بیک وقت کئی کئی نشستوں کی جگہ گھیر کر اس پر قبضہ جمالیتا ہے اور دوسرے مسافر کھڑے سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اب یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ آپ ایک ٹکٹ لے کر آرام سے لیٹے ہیں اور دوسرا شخص اتنی ہی رقم کا ٹکٹ لے کر بیٹھنے سے محروم ہے۔ جہاں دوسرے مسافر کھڑے ہونے پر مجبور ہوں، وہاں زائد جگہ گھیرنے کا کوئی جواز نہیں۔

دوسری بے اعتدالی اس کے برعکس یہ ہوتی ہے کہ جو سیٹ چار آدمیوں کے بیٹھنے کیلئے مخصوص ہے اس میں پانچواں آدمی زبردستی اپنے آپ کو ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے، اور پہلے سے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سمٹ کر اسے ضرور جگہ دیں۔ جو لوگ پہلے سے جائز اور بجا طور پر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے وہ تنگی اور دشواری کے ساتھ اپنا سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، ایسے میں اگر وہ لوگ خود ایثار سے کام لیں تو بے شک یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے اور باعث ثواب ہے۔

چونکہ ہم نے دین کو صرف نماز، روزے ہی کی حد تک محدود کر لیا ہے اس لئے اس قسم کی حرکتیں کرتے وقت یہ خیال بھی دل میں نہیں آتا کہ ہم کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ حالانکہ جس عمل سے بھی کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو یا اسے بے جا تکلیف پہنچتی ہو، وہ حرام ہے۔ ایسا حرام کہ اس کا گناہ صرف توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی حق تلفی کی گئی ہے۔ دیکھنے میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن درحقیقت انہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے افراد اور قوموں کا مزاج بگڑتا ہے، اور جب کسی معاشرے کا مزاج بگڑ جائے تو وہی کچھ ہوتا ہے جس کا رونا آج ہم سب رو رہے ہیں، پھر فائدہ کسی کا نہیں ہوتا، نقصان سب کا ہوتا ہے، راحت کسی کو نصیب نہیں ہوتی تکلیف میں سب مبتلا رہتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ سوچ لیں کہ جس شخص کے ساتھ ہمیں کچھ دیر کی رفاقت میسر آئی ہے، اس کو آرام پہنچانے کی خاطر اگر ہم خود تھوڑی سی تکلیف اُٹھا لیں تو یہ تکلیف تو زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کی ہے، جو بہت جلد ختم ہو جائیگی، لیکن ہمارے ایثار کا نقش ہمارے ساتھی کے دل سے جلدی نہیں مٹے گا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالی راضی ہوگا اور ہماری یہ تھوڑی سی محنت انشاء اللہ وہاں جا کر کیش ہوگی، جہاں روپے پیسے کا کیش بے کار ہوگا، تو رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے کا مزاج بھی بدل سکتا ہے اور ہم ایک دوسرے کیلئے سراپا رحمت بن سکتے ہیں۔

کائنات

(واصف علی واصفؒ)

یہ کائنات جہاں آئینہ جمال ہے، وہاں یہی کائنات مظہر صفات الٰہیہ اور مظہر صفاتِ انسانیہ ہے۔ کائنات میں رونما ہونے والا ہر واقعہ، ہر عمل اور ہر کرشمہ انسان کی داخلی اور ذاتی کائنات میں منعکس ہوتا ہے۔ سیاروں اور ستاروں کی چال اور رفتار سے لے کر ایک معمولی سی حقیر چیونٹی تک، ہر شے اپنے اندر ایک عجب پیغام رکھتی ہے۔ ہر شے ایک علامت ہے، خوبصورت علامت اور ہر شے میں ایک استعارہ ہے، ایک بامعنی استعارہ۔

یہ کائنات مرقع نور ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، کہکشاؤں کے عظیم اور وسیع سلسلے، شمس و قمر کے جلوے، چمکنے والے ستاروں کی یہ حسین کائنات اتنی منور ہے کہ یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اس کو تخلیق کرنے والا خود زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔ اتنی روشن کائنات ایک روشن دلیل ہے، اپنے نورانی خالق کی۔

اگر ذوقِ نظر میسر ہو تو یہ کائنات ایک عجب تماشا ہے۔ کرنوں میں آفتاب ہیں، قطروں میں بحر ہیں، دریا حباب میں ہے، ذروں میں دشت ہیں۔ دیکھنے والی نظر ہو، تو نظاروں کی کمی نہیں اس کائنات کی وسعتوں کے بارے میں جو کچھ بھی کہہ دیا جائے، بلا مبالغہ ہوگا۔ ہم ایک سورج سے وابستہ ہیں اور اس کائنات میں ایسے کروڑوں سورج موجود ہیں، ایسے سیارے اور ستارے ہو چکے ہیں جن کا زمین سے فاصلہ ہزاروں لاکھوں "سال نور" ہے۔ یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلنے والی روشنی ایک ستارے سے زمین پر آنے میں لاکھوں سال لیتی ہے۔ اللہ اللہ، یہ وسعت، انسان سوچ کر ہی سہم جاتا ہے۔ اس وسیع کائنات میں زمین کی

کیا حیثیت اور زمین میں ایک ملک کی کیا اہمیت اور ملک میں ایک شہر اور شہر میں ایک مکان اور مکان میں ایک انسان کی کیا اہمیت، اور پھر اس انسان میں ایک چھوٹا سا دماغ کیا جسارت کرے گا اس وسیع کائنات کے عظیم خالق کے بارے میں لب کشائی کرنے کی۔ مقام تحیر اور مقام سکوت ہے اسی کائنات میں ایسے علاقے ہیں جہاں اتنی سردی ہے کہ بس انسان ذکر کرے تو خیال منجمد ہو جائے اور کہیں اتنی حدت کہ سورج بھی پناہ مانگے۔ یہ کائنات عجب ہے۔ تخلیق اپنے خالق کی مظہر ہے۔

جس خالق نے اس کائنات کو تخلیق کا حیران کن مظہر بنایا، اسی خالق نے انسان کو بڑے دعوے اور وثوق سے اشرف المخلوقات پیدا فرمایا۔ یہ ایک عظیم احسان ہے، عظیم محسن کا، انسان کو بینائی عطاء فرمانے والا، اپنے بے مثال حسن کے پرتو میں اس کائنات کی ہمہ رنگ نیرنگیوں اور رنگینیوں میں جلوہ گر ہے۔ انسان کی پہچان کے لئے کائنات کو آسمان اور زمین کے حوالے سے ظاہر فرمایا گیا۔ انسان اپنی ہستی کا سفر زمین پر ہی شروع کرتا ہے اور یہ سفر یہیں تمام ہوتا ہے انسان کے گرد پھیلی ہوئی زندگی اس کے علم کے وسیع ابواب ہیں۔ اسے علم الاسماء عطا فرمایا گیا وہ اسماء سے اشیاء کو پہچانتا ہے اور پھر اشیاء سے مفاہیم تلاش کرتا ہے اور اسے ہر طرف پھیلے ہوئے سلسلے، اپنی صلاحیتوں اور صفات کے استعارے نظر آتے ہیں۔ انسان کی کائنات حسین وجمیل علامتوں کی کائنات ہے۔

یہی وہ راز ہے جو انسان کو جاننے والا بناتا ہے۔ انسان ظاہر سے باطن اور باطن سے ظاہر کا سفر کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ وجوہ سے نتائج اور نتائج سے وجوہ تلاش کرتا ہے وہ ہر شے کے اندر پنہاں اس جوہر کو ڈھونڈتا ہے، جو اس شے کی پہچان ہے، اس شے کا راز ہے اور یہ راز اور یہ جوہر اور یہ صفت انسان کی اپنی کسی صفت کا مظہر ہوتی ہے۔

شعر و ادب کی دنیا میں انسان نے مظاہر فطرت کو استعاروں اور علامتوں کے روپ میں شامل کیا ہے اور اس طرح اس نے جہاں اپنی زندگی کو پر لطف بنایا، وہاں اس نے ہر ذی جان اور بے جان شے کو اسم دیا اور اس کو معنی عطا کئے۔

پہاڑوں کوانسان نے اپنے عزم کامظہر کہا، نہ بدلنے والااٹل ارادہ، پہاڑ کی طرح اپنی جگہ سے نہ ہلنے والا ،اللہ تعالٰی نے بھی ارشادفرمایا کہ "پھرتمہارے دل سخت ہو گئے، جیسے وہ پتھر ہوں حالانکہ میں نے پتھروں سے بھی نہریں جاری کی ہیں"۔گویا پتھر سے دریا کا نکلنا ایسے ہی ہے جیسے سخت دل انسان کادل بھرآنایاآنکھ سے آنسو کا بہنا۔

دریا کوزندگی کا دریا کہا گیا جوموت کے سمندر میں ڈوبتا ہے۔ہر دریا آخر کار نا ریک سمندر میں گر جا تا ہے۔وقت دریا ہےاورلوگ تنکوں کی طرح اس میں بہتے چلے جارہے ہیں۔ دشت وصحرا کوبھی عجب معنی ملے۔دشت جنوں، دشتِ وحشت ،یادوں کاصحرا،وچھوڑے کاتھل، دشتِ فرقت اورپھرصحرا کی پیاس ،یہ سب اہل ذوق کے پرمغز استعارے ہیں۔سمندر کوہستی کا آغازوانجام کہا گیا۔انسان بادلوں کی طرح سمندر سے آتا ہےاورواپس سمندر کو چلا جاتا ہے کہ یہی اس کا گھر ہے، یہی خالق ہے یا مظہر تخلیق ہے۔

سمندریا قلزم سے بڑے معنی وابستہ ہیں بڑے استعارے ہیں۔بڑی علامتیں ہیں، سمندرروح ہے۔نصف شب کو جاگتا ہے،طوفان میں ہوتو کناروں کواڑا دے، پرسکون ہوتب بھی گہرائی کی وجہ سے پرخوف ہو،سمندرمردار کوباہرنکال پھینکتا ہے۔اس کے باطن میں خزانے ہیں۔موتیوں کے، زندگی کےاوراس کے اندرانسان کے لئے بڑے علوم ہیں جب تک سمندر زندہ ہے، زندگی ختم نہیں ہوسکتی۔سمندر گہرا ہے، کڑوا ہے نا قابل تسخیر وسعت کوسمندر کہا گیا۔ فیاضی اورعلم کے پیکر کوسمندر کہتے ہیں،قلزم رحمت ،وسیع وبے پایاں ،صفت الٰہی ہےاورپھر سمندر خاموش ہوگیا یعنی محبت کی امواج میں ٹھہراؤ کا مقام ،موج کےنام سے کتناہی لٹریچر موجود ہے۔

آیئے دیکھیں! انسان نے اپنے گردرہنے والے جانداروں سے کیا حاصل کیا۔انہیں کیسے کیسے معنی دیے۔ان سے کیا کیا سبق،عبرت اورنتیجے نکالے۔

پرندوں کی دنیا میں شاہین کو لیجئے ۔مردمومن ہی شاہین ہے۔پرندوں کی دنیا کا درویش ہے۔آشیانہ نہیں بناتا۔بلند پرواز ہے،بلندنگاہ ہے، پہاڑوں کی چٹانوں میں رہتا ہے۔

قصرِ سلطانی سے گریز کرتا ہے ۔یہ ایک مردِ حر کی صفات عالیہ ہیں ۔

ایک آزاد قوم کے لئے شاہین ایک بہت بڑا استعارہ ہے، سورج کو نگاہ میں نہیں لاتا، مرجائے تب بھی زمین پر نہیں گرتا ۔اس کی نگاہ آسمانوں پر رہتی ہے ۔اس کا رزق صالح اور پاکیزہ ہے یعنی زندہ کبوتر شکار کرتا ہے ۔شاہین مانگ کے نہیں کھاتا، قانع ہے، غیرت والا ہے ۔متوکل ہے، قوی ہے ۔جھپٹتا ہے، پلٹتا ہے، خون گرم رکھتا ہے، نگاہ تیز رکھتا ہے ۔درویشی میں بادشاہی کرتا ہے اور بادشاہی میں درویشی کرتا ہے ۔اقبال کا شاہین ہی اقبال کا مردِ مومن ہے ۔اقبال نے جوانوں میں عقابی روح کے بیدار ہونے کی دعا کی ہے ۔عقابی روح کا کام ہے آسمانوں کی طرف پرواز کرنا اور پھر شہبازِ لا مکاں، شہبازِ طریقت، شہبازِ خطابت اور پھر ہمارے شاہین یعنی ہماری ایئر فورس، ایک پرندے نے کیا نہیں دیا ہمیں، یہی خودی کا ترجمان ہے یہی محرم لا مکاں ہے یہی فاتح زمان و مکاں ہے ۔یہی شاہین رازِ ہستی کا راز داں ہے ۔شاہین بھوک سے مرجاتا ہے لیکن مردار نہیں کھاتا ۔شاہین صفات مومن کا مظہر ہے اور خودی کا نگہبان ہے ۔انسان کی خودشناسی کو پرندوں نے بڑی آسانیاں عطا فرمائی ہیں ۔گدھ یا کرگس ۔اس پر کیا کچھ نہیں لکھا جا چکا ہے، اندازہ کرنا مشکل ہے، آج کے ادب میں گدھ ایک عظیم استعارہ اور علامت بن کے ظاہر ہوا ہے، ایک ڈرامے میں ایک منظر دکھایا گیا کہ ایک امیر آدمی مر رہا ہے اور اس کے رشتہ دار اس کے پاس خاموش بیٹھے ہیں ۔کٹ کر کے دوسرا منظر پیش کیا گیا کہ ایک ویرانے میں ایک گھوڑا مر رہا ہے اور اس پر گدھ منڈلا رہے ہیں ۔اب آپ گدھ کے بارے میں اندازہ لگا لیں، گدھ کی بلند پروازی، مردار کی تلاش میں ہے ۔

جن درختوں پر دن کے وقت چمگادڑ الٹے لٹکتے ہیں، انہی درختوں پر رات کو گِدھوں کا بسیرا ہوتا ہے ۔یہ تعلق اور تقرب بھی بڑا بامعنی ہے ۔

گدھ کی مردار خوری فضا کو آلودگی اور تعفن سے بھی بچاتی ہے ۔بہر حال انسانوں کی دنیا میں کرگس صفت لوگ موجود رہتے ہیں اور کرگسی عمل بھی جاری رہتا ہے ۔کبوتر اور فاختہ

امن کے نشانات ہیں یہ صلح اور امن کے استعارے ہیں،طوطا ایک ایسا پرندہ ہے جس پر بڑے بڑے ادیبوں نے بہت کچھ لکھا ہے ۔مولانا روم نے ایک طوطے کی کہانی لکھی ہے کہ ایک سوداگر نے پنجرے میں ایک بولنے والا طوطا رکھا ہوا تھا ۔سوداگر سفر پر جانے لگا تو اس نے طوطے سے پوچھا کہ تیری کوئی خواہش ،طوطے نے اپنے گُرو طوطے کو پیغام بھیجا کہ آزاد فضاؤں میں رہنے والو،غریب قیدی کا سلام قبول کرو ۔سوداگر نے پیغام دیا ۔گُرو طوطا سن کر مر گیا اور ساتھ ہی سارے طوطے گر کر مر گئے ۔سوداگر نے یہی افسوسناک خبر اپنے طوطے کو آ کر بتائی ،وہ بھی مر گیا۔ سوداگر نے اسے پنجرے سے نکال کر پھینک دیا ۔وہ طوطا اڑ گیا اور بولا ! اے سوداگر میرے گُرو نے میری فریاد پر مجھے رہائی کا یہی راستہ بتایا تھا کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ،آزاد ہو جاؤ گے۔ پس یہ ہے وہ راز جو گُرو مرید کو دیتا ہے،بہر حال طوطا علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے ۔

ایک معمولی سا کوا بھی لٹریچر کا حصہ بن گیا ۔" کا گا"ایک پیغام ہے،کسی آنے والے کا" کا گا"اٹریا پر بولتا ہے،" کاں"بنیرے پر بولتا ہے اور پھر پردیسی گھر آ جاتے ہیں،کوا منافق نہیں ،اندر باہر سے کالا ہے جبکہ بگلہ منافق ہے ،باہر سے سفید اور اندر سے بد باطن ،مچھلی کے انتظار میں مصروف عبادت نظر آتا ہے ۔قمری ،تیتر اور چکور،آوازوں کے استعارے ہیں ۔اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے لوگ ان آوازوں کا بہت احترام کرتے ہیں ۔مور،نفس کا وہ مقام ہے جہاں انسان اپنے رنگ پر ہی مست ہو جائے ۔ظاہر پرست انسان مور ہے،انا کا مارا ہوا۔

اسی طرح جانوروں میں شیر کو لیں ،اللہ کا شیر ،یعنی اسد اللہ ۔ایک مقام ہے،ایک صفت ہے،ایک انداز ہے،ضرب ید اللٰہی کا ۔شیر ربانی ایک لقب ہے،ایک روحانی مقام ہے، شیر خواب میں نظر آئے تو روحانی فیض کی دلیل ہے ۔شیر بیباکی اور جرات کا مظہر ہے ۔

"اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی"

جہاں شیر دلیر ہے،وہاں گیدڑ بزدل ،لومڑی مکار سانپ چھپا دشمن ہے چمکیلا لیکن زہریلا ۔سانپ کبھی وفادار نہیں ہوتا ۔وفا کے باب میں کتے اور گھوڑے کا ذکر آتا ہے ۔

کتا اگر کتے کا بیری نہ ہوتا تو کبھی نجس نہ ہوتا، گھوڑے کو لٹریچر میں بڑا حصہ ملا ہے۔ غالب نے دو اشعار میں گھوڑے کو زندگی اور موت سے تعبیر کیا ہے۔ زندگی کا سرکش گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے، انسان سوار تو ہے لیکن بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پاؤں رکاب میں۔ انسان کا ایک پاؤں ہوس کی زمین میں گڑا ہوا ہے، اور دوسرا پاؤں موت کے گھوڑے کی رکاب میں ہے۔ زندگی اور موت کو بیان کرنے کے لئے گھوڑے سے کیا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ غرضیکہ ہر جانور ہر پرندہ، ہر شے انسان کے لئے معنی رکھتی ہے۔ انسان غور کرے تو یہ کائنات علم کے وسیع خزانوں سے مالا مال نظر آئے گی۔ انسان کو اپنا پرتو اور اپنے خالق کا جلوہ اسی کائنات میں نظر آئے گا۔

یوسفؑ کے خواب میں آنے والے گیارہ ستارے، چاند اور سورج ان کے اپنے بھائی اور ماں باپ تھے۔ سبحان اللہ! یہ علم اس نے خود عطاء کیا ہے جس نے انسان کو شاہکار تخلیق بنایا۔ انسان کو شرف بخشنے والے نے انسان کو علم عطاء کیا۔ کائنات کا علم، کائنات کی اشیاء کا علم، کائنات کی زندگی اور اس کے حسن کا علم۔

یہ کائنات آئینہ ہے، انسان کی اپنی کائنات کا، ہر طرف انسان کی اپنی صفات پھیلی ہوئی ہیں، انسان غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہی کائنات انسان کا باطن ہے اور انسان اس کائنات کا باطن، یہ کائنات ایک کھلی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں حقیقت ہی حقیقت ہے، معنی اور معنی استعارہ اور استعارہ، علامت در علامت، انسان کی کائنات حسن، حسن کائنات کا خوبصورت عکس ہے۔ "چاند" محبوب ہے اور چاندنی محبوب کی یاد، چاند دور ہو تو چاندنی پاس ہوتی ہے۔ چاند پاس ہو تو چاندنی ختم ہو جاتی ہے۔ پھول دل میں بسنے والا دوست ہے اور کانٹا آنکھوں میں کھٹکنے والا رقیب۔ غرضیکہ لامحدود جلوہ کائنات میں موجود ہے۔ انسان کی تلاش کے لئے اور تلاش ذات کے لئے اسی کائنات میں ایک مخفی اور حسین کائنات موجود ہے معنی کی کائنات جلووں کی کائنات، انسان غور تو کرے۔

نوجوانوں میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

کہا جاتا ہےاور بالکل صحیح کہا جاتا ہے کہ نوجوان کسی بھی قوم کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں،قوموں کا مستقبل ان سے وابستہ ہوتا ہے،انقلابات ان کے دم سے آتے ہیں ،علمی سرگرمیاں بیشتر ان ہی کی ہوتی ہیں ، اسلام چونکہ آفاقی اور عالمی مذہب ہے ، اسلئے وہ نوجوانوں کو خاص اہمیت دیتا ہے، ایک حدیث میں جوانی کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو ، زندگی کو موت سے پہلے ، فراغت کو مشغولیت سے پہلے، مالداری کو محتاجی سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور صحت کو بیماری سے پہلے"۔

دوسری حدیث میں فرمایا گیا کہ:

"قیامت کے روز ہر فرزند آدم سے کچھ سوالات ضرور ہوں گے،عمر و زندگی کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس کام میں گزاری اور صرف کی؟ جوانی کے قیمتی لمحات کیسے گزارے؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ علم کے مطابق عمل کیا یا نہیں؟"۔

اسلام تمام انسانوں خصوصاً نوجوانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ ایمانی رسوخ پیدا کریں، کفر وفسق اور عصیان وطغیان سے گریزاں ہوں، طاعات کی طرف راغب ہوں، بلکہ اسلام کہتا ہے کہ طاعات الٰہیہ میں منہمک نوجوان قیامت کے روز عرش الٰہی کے سائے میں ہوگا جہاں اس کے سوا کوئی اور سایہ میسر نہ آئے گا۔

تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ اصلاح وصلاح کی تمام تر تحریکات، کوششوں اور سرگرمیوں میں نوجوانوں کا رول سب سے اہم اور نمایاں رہتا ہے، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے نوجوانی میں اپنی قوم کے برے عقائد، بت پرستی، اصنام تراشی، گمراہی اور بدکرداری کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور بتوں کو پاش پاش کرنے کے بعد قوم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ حقیقت واضح کی تھی کہ:

"یہ وہ بت ہیں جن میں نہ نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے اور نہ ضرر رسانی کی، تم پر تُف ہو اور تمہارے ان ہاتھوں سے تراشے ہوئے بے جان معبودوں پر تُف ہو، تم عقل سے محروم ہو"۔

(الانبیاء 66)

حق گوئی کی سزا ان کو آگ کے الاؤ میں ڈال کر دی گئی، مگر ان کے صبر و استقامت میں ذرا بھی کمی نہ آئی اور پھر اللہ کے حکم سے وہ مشتعل آگ ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ ان کو وہ ذبح کر رہے ہیں، یہ خدا کا حکم تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام نوجوان تھے، مگر ان کے دل میں اطاعتِ الٰہی کا جذبہ موجزن تھا، انہوں نے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ابا جان:

"آپ حکم الٰہی کی تعمیل کیجئے، آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے"۔

(الصافات 102)

اطاعت و قربانی کی یہ مثال تاریخ عالم کی منفرد مثال ہے۔

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لائے، اس وقت وہ نوجوان تھے، پھر نبی بھی بنائے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو عین عنفوان شباب میں مختلف مصائب و محن سے گزرنا پڑا، قید و بند کی صعوبتوں سے سابقہ پیش آیا، مگر ان کا صبر و ثبات بے نظیر تھا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو

اپنی نعمتوں سے دنیا میں بھی سرفراز فرمایا، ملک کے خزانے ان کے سپرد کر دیے گئے۔سورہ کہف میں جن اہل حق کے ثبات ایمانی اور رسوخ دینی کا ذکر ہے وہ قرآن کے بقول:

"چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخش دی تھی، ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیے جب وہ اٹھے اور انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پوری جوانی صبر وعزیمت کے کارناموں سے لبریز ہے، ہجرت کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کے مکان کے باہر دشمنوں کا قافلہ موجود تھا کہ آپ کے نکلتے ہی نعوذ باللہ کام تمام کر دیا جائے ،مگر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ، میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، میں ہمہ تن آمادہ ہوں، پھر حضرت علیؓ آپ ﷺ کے بستر پر سوئے اور چند دنوں بعد قبا میں آپ ﷺ سے آ ملے قرآن کریم کی اس آیت کے اولین مصداق حضرت علیؓ ہی ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

" کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں، ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے"۔(البقرہ 208)

کوہ صفا پر چڑھ کر توحید ورسالت کی تصدیق کی جو دعوت اور پیغام آپ ﷺ نے تمام مکہ والوں کو دیا تھا اور اس کا ردعمل انکار، لعن طعن اور بدگوئی کی شکل میں سامنے آیا تھا، پورے مجمع میں صرف حضرت علیؓ تھے جنھوں نے اس پیغام کو بے چون وچرا قبول کر لیا تھا اور پھر یہی ان کے رگ وپے میں پیوست اور ان کے جسم کے ریشے ریشے میں سما گیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت پر اولین توجہ فرمائی تھی، وہ ان میں اخلاص، اسلامیت، استقامت دینی کے ساتھ شجاعت، خطر پسندی اور

عقیدہ وحق کی راہ میں ہر قربانی بے دریغ پیش کرنے کا جذبہ بے تاب پیدا کرنے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہا کرتے تھے، نوجوان صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے لڑکے! اللہ کو یاد کرو، اللہ تم کو محفوظ رکھے گا، اللہ کے احکام کی پابندی کرو وہ ہمہ وقت تمہاری مدد کرے گا، جب بھی مدد مانگنا ہو اللہ سے مانگو، اللہ کے سوا کوئی لاکھ نفع یا نقصان پہنچانا چاہے نہیں پہنچا سکتا"۔

قرنِ اول کے نوجوانوں کا فیض ہے کہ اسلام مشرق سے مغرب تک پھیلا، اس کی آذان گونجی، اس کا علم لہرایا اور لوگ دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہوئے، حضور اکرم ﷺ نے نوجوانوں کی صلاحیتوں کو کام میں لگایا، ان کو عسکری قیادت سونپی، حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وہ نوجوان صحابہ کرام تھے جن کی قربانیوں سے اسلامی فتوحات وجود میں آئیں، حق کا پرچم بلند ہوا اور اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

فاتح سندھ محمد بن قاسم نے سترہ سال کی عمر میں سندھ فتح کیا اور اپنے حسن اخلاق سے دل بھی جیت لئے، ایسے نمونے تاریخ اسلام میں بے شمار ہیں۔

ہمارے موجودہ دور کا بہت بڑا المیہ نوجوانِ ملت کی بے راہ روی اور صحیح شعور سے محرومی ہے، وہ اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر اور غافل ہیں، انہیں جو کردار ادا کرنا ہے اور جو کام انجام دینا ہے اس سے ناواقف ہیں، موجودہ حالات میں امت کو جو خطرات لاحق ہیں اور اغیار کی طرف سے جو منظم حملے ہو رہے ہیں ان کا اصل مقابلہ نوجوان ہی کر سکتے ہیں، ان کو بیدار ہونا پڑے گا، ان ہی کی جرات وعزیمت سے مشکل مرحلے سر ہو سکیں گے اور الجھی گتھیاں سلجھ سکیں گی۔

عشقِ الٰہی یا خود آ گہی کے ارتقاء کی کوئی انتہا نہیں

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

انسانوں میں محبت کی صلاحیت مختلف ہوتی ہے بعض دوسرے کوائف یکساں ہوں تب بھی اس کا انحصار کسی فرد کی ذہانت پر ہوتا ہے ۔اعلیٰ ذہنی سطح کے لوگوں کو حسن ازلی کی جستجو بہت شدید ہوتی ہے اور وہ اس سے ہر چاہت سے زیادہ جذباتی اور گہری محبت کر سکتے ہیں ۔ ایک صاحب ایمان شخص کو اپنی فطری صلاحیت کے مطابق جذبہ عشق کو بڑھانا چاہیے ۔جب تک اس کا پورا عمل نصب العین کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہو جاتا ،اسے سمجھنا چاہیے کہ اس کے قلب و ذہن میں ابھی باطل نظریات کا اثر ہے اور وہ اس کے عمل اور جذبہ محبت کے کچھ حصے پر اثر انداز ہو رہے ہیں اور یہ کہ اسے ابھی مسلسل اپنے جذبہ محبت اور عمل کو صحیح نصب العین کے لئے خالص کرنے کی ضرورت ہے، کسی فرد کے حب الٰہی کا جذبہ اس دنیاوی زندگی میں خواہ کتنا ہی بلند مقام حاصل کر لے، یہ کہنا درست نہیں ہوتا کہ اس نے خالق حقیقی کے حسن کا کماحقہ ادراک حاصل کر لیا ہے اس جذبہ شوق کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور کسی سطح پر بھی ایک مومن یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے آخری حد کو چھو لیا ہے نبی اکرم ﷺ کا قول مبارک ہے۔

ہم تجھے پہچان نہ سکے جیسا کہ تیری پہچان کا حق ہے"۔(حدیث)

یہی وجہ ہے کہ ایک مومن صادق کی محبت الٰہی میں موت کے بعد بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے چونکہ جسم کی تخلیق خودی کی خلاقی کا مظہر ہے نہ کہ جسم سے خودی وجود میں آتی ہے، خودی جسمانی موت کے بعد کسی قسم کے تعطل یا عدم وجود کا شکار نہیں ہوتی ۔ چنانچہ وہ اگلی زندگی میں بھی اپنی فطری بنیادی خصوصیت کے ساتھ باقی رہتی ہے یعنی حسن ازلی کی تلاش اور اس سے محبت ۔

چنانچہ یہ روحانی ارتقاء حیات بعد الممات میں بھی جاری رہتا ہے اور نورِ الٰہی سے کسبِ نور کا عمل بھی ختم نہیں ہوتا۔ صاحبِ ایمان حضرات اگلی زندگی میں خدا سے دعا کریں گے کہ وہ ان کی خودآگہی کا نور مکمل کر دے اور ان سے وہ موانع دور کر دے جن کی وجہ سے وہ اپنی پہلی زندگی میں روحانی بالیدگی مکمل طور پر حاصل نہ کر سکے۔ وہ اپنی ان بداعمالیوں پر اللہ کی جناب میں نادم ہوں گے جن کی وجہ سے وہ دنیا میں حسنِ ازلی کے ساتھ محبت کما حقہ نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کی دعا یہ ہوگی:

"اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لئے کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔(التحریم 8)

لیکن وہ مومن صادق جو صحیح نصب العین کے لئے اپنا جذبہ عشق و محبت اس دنیا میں آخری حد تک بڑھا سکا اور موت تک اسے برقرار بھی رکھ سکا۔ حیات اخروی میں اسی جذبہ محبت کے مزید ارتقاء میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کرے گا۔ چونکہ دنیوی زندگی میں اس نے اپنے نفس اور شیطان کے تمام وساوس پر قابو پالیا تھا، اس لئے اب آخرت میں اسے مزید تگ و دو نہیں کرنی۔ حیات دنیوی میں کی گئی محنت سے اس نے وہ نور کما لیا ہوگا جو حیات بعد الممات کے مراحل میں اس کے کام آئے گا اور اس کے آگے اس کا راستہ منور کئے رکھے گا۔ وہ بغیر کوشش کے باری تعالیٰ کے نئے جلوے ہر دم ملاحظہ کرے گا:

"اُن کا نور اُن کے آگے آگے دوڑتا ہوگا"۔(الحدید 12)

"اُن کے لئے اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے"۔(الحدید 19)

"اُن کا نور اُن کے آگے دوڑتا ہوگا"۔(التحریم 8)

"اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لئے مکمل کر دے اور ہماری مغفرت فرما"۔(التحریم 8)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حزن اور خوف سے محفوظ ہو جاتا ہے کسی شخص کو حزن اس وقت ہوتا ہے جب اسے اس کی مطلوبہ شے نہ ملے اور خوف اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو مقررہ معیار پر آتا نہ دیکھے۔ انسانی خودی کی اصل اور بنیادی خواہش ایک ہی ہے

اور وہ خواہش حسنِ ازلی کے حصول کی ہے۔ چنانچہ جب اس خواہش کے لوازم دنیوی زندگی میں مسلسل پورے کرتے ہوئے ایک فرد اگلی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اس کی روح اس منزل کی تمام سختیاں جھیلنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اسے کسی قسم کے حزن یا خوف سے واسطہ نہیں ہوتا۔

" کہ ان پر نہ تو کسی قسم کا ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔(آل عمران 170)

درحقیقت جنت کی تمام نعمتوں اور ان سے لطف اندوزی کا انحصار اپنی کیفیات پر ہے۔ ایک گناہ گار بندے کا معاملہ برعکس ہوتا ہے چونکہ وہ دنیوی زندگی میں اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی خودی کی تعمیر نہیں کرتا بلکہ معصیتوں اور سیاہ کاری میں ملوث ہو کر اپنی خودی کو آلودہ کر لیتا ہے اسلئے آخرت میں بھی اسے سخت حزن و خوف سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگر وہ پہلی زندگی میں معصیتوں کے ارتکاب کے بعد توبہ (اپنی تمام شرائط کے ساتھ) کر کے اپنے گناہوں کا ازالہ کر لیتا ہے تو بات دوسری ہے ورنہ اسے اگلی زندگی میں ان کا کفارہ بھرنا پڑتا ہے۔ اور جب تک وہ اس سخت تکلیف دہ مرحلے سے گزر کر اپنی خودی کو آلودگیوں سے پاک نہیں کرتا، اس کا روحانی ارتقاء رکا رہتا ہے۔ آخرت میں خودی کی تطہیر کا عمل انتہائی مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ دوزخ کے عذاب کی مختلف شکلیں اور ان کی تفصیلات اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

جنت کی نعمتیں اور دوزخ کے مصائب صرف استعارے نہیں ہیں:

ہر شخص اگلی زندگی میں اپنی ذہنی سطح اور کیفیت کے مطابق اپنی جنت اور دوزخ خود بنائے گا۔ اس سلسلے میں اصل اہمیت اس مادی دنیا میں کمائے ہوئے اعمال کی ہوگی جس کے اثرات اس کے لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں اور جس کی پوٹلی باندھ کر وہ اگلی زندگی میں قدم رکھے گا۔ اس ابدی زندگی میں اسے اپنے کسب شدہ اعمال کے نتائج بھگتنے ہوں گے۔ یا تو مثبت طور پر وہ اس کے کام آئیں گے یا پھر سخت تکلیف دہ عواقب برداشت کرنا ہوں گے وہاں پر اسے ان تمام لوگوں سے واسطہ پڑے گا جن کے حقوق اس نے اس دنیا میں غصب کئے ہوں گے۔ خود اس کے اعضاء و جوارح کو زبان دے دی جائے گی جو اس کے خلاف شہادت پیش کریں گے اگر دنیا میں اس کے اعمال اس کی فطرت سلیمہ اور خالق کائنات کی مرضیات کے مطابق ہوں گے تو

اسے اگلی دنیا میں نہایت خوشگوار لوگوں کی معیت اور نہایت دیدہ زیب اور دلفریب مناظر و اشیاء سے نوازا جائے گا۔ مثلاً باغات، مرغوب کھانے اور لذیذ مشروب، خوبصورت ساتھی، نہریں اور سایہ دار مثمر اشجار وغیرہ۔ اس جنت کی نعمتیں دنیا میں کمائے ہوئے اعمال اور اخلاقی جدوجہد کے تناسب سے ہوں گی۔ کسی شخص نے جس درجے میں اپنے خالق حقیقی کی صفت حسن کو اپنے اخلاق واعمال میں اپنایا ہوگا وہ اسی قدر نعمتوں کا مستحق ہوگا۔ اور آخرت کی زندگی میں بھی اس کی خودی کی بالیدگی اور ترفع کا عمل جاری رہے گا۔ اور اگر اس زندگی میں کسی شخص کے اعمال اس کی فطرتِ سلیمہ اور خالقِ کائنات کے احکام کے خلاف ہوں گے تو اسے اپنے اعمالِ بد کو انتہائی کریہہ صورتوں میں متشکل دیکھنا پڑے گا مثلاً آگ کی لپیٹ، انتہائی گندہ اور ناپسندیدہ پانی، ناکارہ اور بدذائقہ غذا، جسمانی تعذیب، سانپ، بچھو وغیرہ۔ وہ ان سب سے بھاگنے کی کوشش کرے گا لیکن اس کا کچھ بس نہ چل سکے گا۔ اسے موت بھی آکر ان تکالیف سے چھٹکارا نہیں دلا سکے گی۔ چنانچہ جنت اور دوزخ اور ان کی تفاصیل صرف خالی استعارے نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی مقامات ہیں جو اگرچہ متشکل ان اعمال کے نتیجے کے طور پر ہوں گے، جو ہم اس دنیوی زندگی میں کرتے ہیں اور جن کے اثرات ہمارے لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں، یہی اعمال حیات اخروی میں معروضی کیفیات اور مقامات کا روپ دھار لیں گے جو یا تو انتہائی آرام دہ اور خوش کن ہوں گے یا انتہائی تکلیف دہ اور مضرت بخش۔

تاہم یہ حقیقت ہے کہ ایک مومن جس نے دنیا میں تھوڑے بہت نیک کام کئے ہوں گے وہ آخر کار جہنم سے اس کی گلوخلاصی کا باعث بنیں گے اور اس طرح دوزخ کے مصائب سہتے ہوئے بھی اس کی روح کی بالیدگی کا سبب بالآخر وہ اعمالِ خیر بنیں گے جو اس نے دنیا میں کیے ہوں گے اس نے صحیح نصب العین کیلئے جتنے زیادہ عمل کیے ہوں گے اتنی جلدی اسے جہنم کی آگ سے نجات ملے گی۔ اس طرح یہ اعمال وہ نور بن جائیں گے جو سیاہ کاریوں کے اندھیروں کو ختم کردیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

"بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کردیتی ہیں"۔(ہود 114)

ہیلتھ کارنر (خوبانی)

(حافظ محمد یٰسین)

خوبانی قدرت کا پیدا کردہ ایک خوش ذائقہ پھل ہے اگر چہ ہلکی سی ترشی اس کی مٹھاس کو بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔اپنی قوت بخش صلاحیت کی وجہ سے یہ پھل بہت مقبول ہے۔اس کی گٹھلی میں بادام نما گری پائی جاتی ہے اپنی صورت کے اعتبار سے یہ آڑو سے مشابہ ہے اور اسی فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کا اصل وطن چین تصور کیا جاتا ہے جہاں گزشتہ ہزار سال سے اس کی کاشت ہو رہی ہے۔پاکستان میں وادی ہنزہ اس کی مخصوص جائے پیداوار ہے جہاں پچھلے پندرہ سو سال سے اپنی صحت بخش خوبیوں کی وجہ سے یہ زیر کاشت اور زیر استعمال ہے۔قدیم یونان میں اسے غذائی ادویہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا جب کہ اہل روم اسے محبت کی دیوی سے منسوب کرتے تھے بعد میں اپنے ذائقے اور غزائیت کی وجہ سے مشرق وسطیٰ میں بھی یہ پھل مقبول ہوا۔

خوبانی متعدد غذائی اجزاء سے مالامال ہے۔اس میں قدرتی شکر، وٹامن A اور کیلشیم کی وافر مقدار ہوتی ہے۔علاوہ ازیں یہ Vitamin. B Complex اور وٹامن سی کا موثر ذریعہ ہے۔خوبانی کی گٹھلی میں پایا جانے والا بادام دوسرے باداموں کی طرح لحمیات اور چکنائی سے بھرپور ہوتا ہے اور اس بادام میں تقریباً 45% تک تیل ہوتا ہے۔

پرانے وقتوں سے خوبانی کا پھل، اس کا گودا اور پھول ادویات میں استعمال کیے

جا رہے ہیں ۔چین میں ایک مشہور دوا خوبانی کے پیڑ کے گودے سے تیار کی جاتی تھی یہ دوا جسم کو لمبی عمر گزارنے کی صلاحیت سے ہمکنار کرتی تھی ۔ایک عرصے تک خوبانی کے پھول عورتوں کے لیے سامان آرائش تیار کرنے میں استعمال کیے جاتے رہے ہیں ۔خوبانی کے پیڑ کے گودے میں پایا جانے والا تیل تشنج کے علاج کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔یہ تیل پیٹ کے کیڑوں کو مارنے، زخموں کو مندمل کرنے اور قوت بخش دوا کے طور پر بھی کارآمد ہے۔

خوبانی کا پھل قبض کے علاج میں مفید ہے یہ اس میں پائے جانے والے Pectin اجزاء کی بدولت ہے جو کہ انتڑیوں کو متحرک کر کے اجابت کو آسان بناتا ہے ۔خاص طور پر پرانی قبض کے مریض اس سے بہت حد تک مستفید ہوتے ہیں ۔اس کے لیے روزانہ پھل کے 6 سے 8 دانے کھانے چاہئیں۔

خوبانی کی دیگر خصوصیات میں نظام ہضم پر اثرات مرتب کر کے ان کی تیزابیت دور کرنے کی صلاحیت بھی ہے ۔اس سے مناسب فائدہ اٹھانے کی غرض سے اسے کھانے سے پہلے کھایا جائے ۔خوبانی کے خودرو پودے اور پکے پھل سے تیار کردہ مربہ بھی اعصابی، بدہضمی کے علاج میں بہت مفید ہے ۔خوبانی میں آئرن کی موجودگی بہت اچھی مقدار میں ہوتی ہے اس لیے یہ خون کی کمی کا بہترین غذائی علاج ہے ۔اس میں پایا جانے والا لازمی جزو بدن کو آئرن کی فراہمی یقینی بناتا ہے ۔اس کے باقاعدہ استعمال سے خون کے سرخ ذرات میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

خوبانی کے تازہ رس کو گلوکوز یا شہد میں ملا کر استعمال کرنے سے بخار کی حالت میں سکون ملتا ہے ۔یہ جسم کو فاسد مادوں سے پاک کرتا اور پیاس کی شدت میں اعتدال لاتا ہے ۔اس کے علاوہ جگر، معدہ، دل اور اعصاب کو معدنی اجزاء مہیا کر کے انہیں تقویت دیتا ہے ۔خوبانی کے پتوں کا تازہ رس جلد کی بیماریوں میں فائدہ مند ہے ۔اس کا بیرونی استعمال خارش، ایگزیما اور

گرمی وسردی سے متاثرہ جلد کوٹھیک کرتا ہے۔تازہ خوبانی عموماً دوپہر یارات کے کھانے کے بعد کھائی جاتی ہے تاہم اسے خشک پھل کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ہنزہ کے باشندے خوبانی کا بکثرت اور باقاعدہ استعمال کرتے ہیں اور یہ ان کی روزمرہ غذا کی ضروریات کا مکمل جزو ہے اسی لیے یہ لوگ اپنی جسمانی قوت اور لمبی عمر کی وجہ سے مشہور رہیں۔خوبانی کے جام،جیلی اور مربے بنائے جاتے ہیں۔اس کے باداموں کو مٹھائیوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔خوبانی کا پھل پورا سال پھلتا پھولتا اور استعمال ہوتا رہتا ہے۔وٹامن بی کے علاوہ اس میں وٹامن سی کی بھی وافر مقدار پائی جاتی ہے جو کہ غذائی صلاحیت سے مالا مال ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ خوبانی میں کثیر تعداد میں ایسے معدنی اجزاء پائے جاتے ہیں جو کہ جسم میں فاسد خون کو صاف کر کے تازہ اور صاف خون بنانے کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔اس عمل سے دل کی بیماریوں سے انسان محفوظ رہتا ہے اور جسم سے زہریلے مادوں کا خاتمہ ہوتا رہتا ہے۔لہٰذا خوبانی کو بطور Anti Oxidant بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

خوبانی کی بڑھاپے میں آنکھ کے تحفظ کے حوالے سے بھی خوبی کی بہت اہمیت ہے۔بصارت میں کمی واقع ہو رہی ہو تو خوبانی کو کیلے کے ساتھ ملا کے دہی کے ہمراہ دن میں دو مرتبہ کھائیں یہ ایک مزیدار اور مفید ڈش تیار ہو جائے گی۔اسی طرح جسمانی عفونت اور سوزش میں خوبانی کا استعمال بہت کارآمد ہے۔

شریعت اور حقیقت

(از کشف المحجوب) سید علی ہجویریؒ

اہل طریقت کیلئے یہ دو اصلاحات ہیں۔ایک تو عمل اور حال کی صحت کو ظاہر کرتی ہے، اور دوسری باطن کے احوال کی صحت و اقامت کو،شریعت اور حقیقت کے قائل اور متبع دو الگ الگ گروہ ہیں اور ان معنی میں دونوں غلط راہ پر ہیں،اس لیے تکمیل سیرت اور تحصیل معرفت کے لیے شریعت اور حقیقت لازم و ملزوم ہیں،اور ایک مومن میں ہر دو کا اجتماع لازمی ہے۔ایک تو علمائے ظاہری ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت خود حقیقت ہے۔نیز ملحدوں کا ایک گروہ ایک کے قیام کے بغیر دوسری چیز کو جائز و روا رکھتا ہے،اور کہتے ہیں کہ جب حقیقت کا حال منکشف ہوا۔تب شریعت اٹھ گئی ،حالانکہ حقیقت کتنی ہی قوت سے منکشف کیوں نہ ہو،شریعت کسی بھی حال میں کسی شخص سے خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو،ساقط نہیں ہو سکتی،اور اس کی تعمیل فرض ہے پس حقیقت سے مراد ہے معنوی اور باطنی صفات کی تکمیل،اور تزکیہ قلب، جو تصوف کا بنیادی منشاء ہے،حضرت آدمؑ کے زمانے سے دنیا کے فنا ہونے تک اس کا حکم مساوی ہے ،اور اخلاص نجات کے لیے ہمیشہ لازمی رہے گا۔اور اخلاص بھی حسن نیت کے بغیر ناممکن ہے۔اور یہی حقیقت ہے۔پس شریعت بندہ کے اعمال و افعال ہوتے ہیں ، اور حقیقت خداوند کریم کی نگہداشت،توفیق و رہنمائی اور عفت و حفاظت ہوتی ہے،لہٰذا وجود حقیقت کا قیام شریعت کے بغیر محال ہوگا،اور اسی طرح شریعت کا قیام حقیقت کے روحانی و اخلاقی آداب بجالانے کے بغیر محال ہوگا اور اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص روح کے ساتھ زندہ ہو،لیکن جب روح اس کے بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ بے جان بلکہ مردار ہو جاتا ہے اور جس طرح جسم اور روح کی تمام قدر و قیمت ایک دوسرے کے وصل و اتحاد سے ہے،اسی طرح شریعت بلا حقیقت ریا ہوتی ہے،اور حقیقت بلا شریعت نفاق و گمراہی ہوتی ہے

اورخداوندکریم نے فرمایا۔

والذین جاهدو فينا لنهدينهم سبلنا ۔یعنی جولوگ ہماری جانب راہ راست پانے کی جدو جہد کرتے ہیں ہم خودان کو اپنا صحیح راستہ دکھاتے ہیں ۔پس شریعت ایک مجاہدہ ہوگی ،اورہدایت اس کی حقیقت جو بہ الفاظ دیگر خدا کی باطنی رہنمائی ہے،ایک تو بندہ پر احکام ظاہری کے لحاظ سے لازم ہے،اوردوسری باطنی احوال میں بندہ کے لیے خدا کی حفاظت و تائید ہے۔پس شریعت ایک کسبی چیز ہے،اورحقیقت سراسر وہبی ہے۔

دعائے مغفرت

ملتان سے خالدمحمودصاحب کے ماموں سیدراحت حسین بخاری

راولپنڈی سے بھائی خورشیدصاحب کے بیٹے

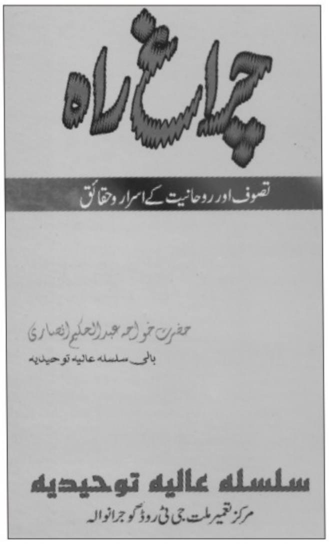
راولپنڈی سے بھائی خواجہ ولی محمد صاحب کی ہمشیرہ

گوجرانوالہ سے بھائی شیخ محمد اکرم صاحب کی ہمشیرہ

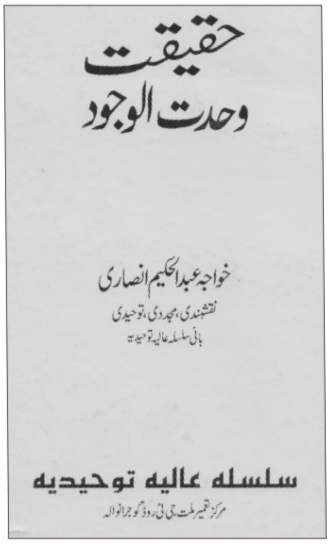
بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعافرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

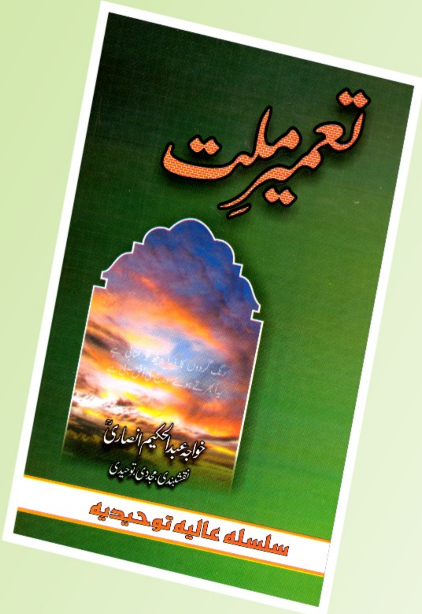


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

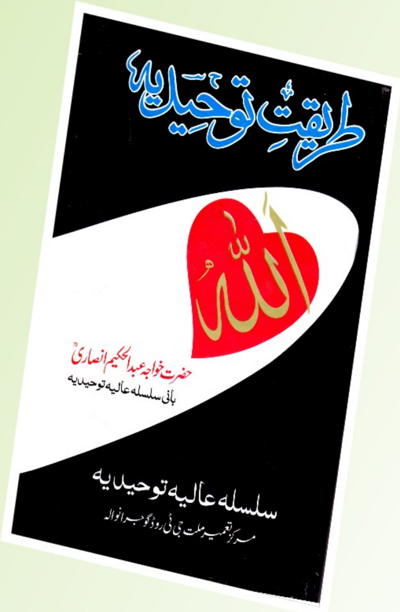


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com